ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مکتوباتِ غالب کا لسانی جائزہ

A Linguistic Review of Ghalib's Letters

ڈاکٹر ساجد محمود
لیکچرر، یونی ورسٹی آف سینٹرل پنجاب، سیالکوٹ کیمپس
darsajidmahmood@gmail.com
محسن خالد محسنؔ
شعبہ اُردو (گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، لاہور)
mohsinkhalid53@gmail.com

ABSTRACT

Mirza Ghalib is the shining star of the Urdu language and literature. Ghalib brought classical poetry to its peak. Ghalib evolved the genre of correspondence and gave it a new shape and form. Mirza Ghalib's letters are important in every sense, as he made the letter a dialogue, unlike Muhammad Shahi. This paper contains a linguistic analysis of Mirza Ghalib's letters. In this paper, the linguistic discussions in Ghalib's letters have been included in the analysis, as have Mirza Ghalib's linguistic dispositions and deviations. The trend of using the language of his era in the correspondence of Mirza Ghalib and the changes made in the matter of his usage are discussed in this paper. Given this narrative, this paper is a new addition to a dominant theory.

Key words: *Mirza Ghalib, Maktoob writing, Urdu language, linguistics, English practice, Arabic, Persian, Hindi, Adibat-e-Alam, Tazkir and Tanith, Arshi, Imtiaz Ali, Maulana Hali, Ghalib knowledge, Mughal Empire, Ghadar, English practice*

خلاصہ: مرزا غالب اُردو زبان و ادب کا درخشندہ ستارہ ہے۔ غالب نے کلاسیکی شاعری کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ غالب نے مکتوب نگاری کی صنف کو ارتقا بخشا اور اسے ایک نئی شکل اور صورت عطا کی۔ محمد شاہی روش کے برعکس مراسلہ کو مکالمہ بنانے والے مرزا غالب کے خطوط ہر لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مقالہ مرزا غالب کے خطوط کے لسانی جائزہ پر مشتمل ہے۔ اس مقالہ میں مکتوباتِ غالب میں لسانیاتی مباحث کو شامل تجزیہ رکھا گیا ہے نیز مرزا غالب کی لسانی تصرفات و انحرافات اور توارد کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ مرزا غالب کے مکتوبات میں اپنے عہد کی زبان استفادہ کا رجحان اور اپنے تئیں اس صرف و نحو کے معاملہ میں کی گئی تبدیلیوں کو اس مقالہ میں بحث بنایا گیا ہے۔ اس بیانیے کے پیشِ نظر یہ مقالہ ایک غالب شناسی کے باب میں ایک نیا اضافہ ہے۔

کلیدی الفاظ: مرزا غالب، مکتوب نویسی، اردو زبان، لسانیات، انگریزی عمل داری، عربی، فارسی، ہندی، ادبیاتِ عالم، تذکیر و تانیث، عرشی، امتیاز علی، مولانا حالی، غالب شناسی، مغل سلطنت، غدر، انگریزی عمل داری

خطوط غالب میں مسائل املا پر گفتگو سے پہلے اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ املا اور روش کتابت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ہم یہاں خطوط غالب میں مسائل املا پر گفتگو کریں گے روش کتابت کے بارے بات نہیں کریں گے اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ پرانی تحریروں میں یاے معروف (ی) اور یاے مجہول (ے) یا ہائے مختفی (ہ) اور ہائے مخلوط () میں کوئی لحاظ یا فرق نہیں رکھا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر زندگی کو زندگے لکھنا یا پوچھ کو پوچہ لکھنا وغیرہ۔ یہ روش کتابت تھی جو اب بدل گئی ہے۔

دوسری طرف پانو کو پاؤں، ناشتا کو ناشتہ، معما کو معمہ لکھنا املا کا مسئلہ ہے۔ اس فرق کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے موجودہ دور کے مشہور محقق رشید حسن خاں اپنی کتاب ’’املاے غالب ''میں لکھتے ہیں : ''املا اور روش کتابت دو مختلف چیزیں ہیں۔ مثلاً اس سے پہلے آخر لفظ میں واقع یاے معروف و مجہول کی کتابت میں یہ امتیاز صورت ملحوظ نہیں رکھا جاتا تھا کہ یاے مجہول کو دراز صورت میں (ے) لکھا جائے۔ اور یائے معروف کو لازمانی کی صورت میں لکھا جائے۔ یا جیسے، اور ہ کا امتیاز۔ یہ روش کتابت تھی، جو بدل گئی۔ یہ املا نہیں تھا۔ مرزا صاحب مثلاً پانو کو صحیح سمجھتے تھے اور پاؤں کو درست نہیں سمجھتے تھے، یہ املا کا اختلاف ہے اور بحث املا کے اختلاف سے ہوتی ہے، روش کتابت سے نہیں۔ مرزا صاحب نے زندگی کو زندگئے ’’ لکھا تو یہ اس لفظ کا املا نہیں تھا۔ یہ اس زمانے کی عام روش کتابت تھی۔ مرزا صاحب نے اصلا زندگی (زندگی) ہی لکھا تھا، یوں کہ اس لفظ کا تلفظ بھی یہی تھا۔ زندگئے '' کہتے نہیں تھے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کہتتھے ''زندگی''۔ ''زندگی'' کو زندگے "لکھا گیا تو یہ املا کا اختلاف یا املا کی تصحیح نہیں، یہ روش کتابت کا نقش تھا جو بدل گیا۔ ناشتا کو ناشتہ لکھنا یا معما کو معمہ لکھنا املا کی غلطی ہے اور پرانی تحریروں میں مثلاً گھر "کا لفظ گہ لکھا ہوا ملتا ہے۔ تو یہ املا کی غلطی نہیں، یہ روش کتابت ہے۔ تھی دونوں کی واجبے، اگر دونوں میں جو فرق ہے اسے ذہن میں ضرور رکھنا چاہیے۔" [1]

املا کے مسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے جب ہم غالب کے خطوط کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اپنے خطوط میں جہاں دیگر مسائل و مباحث سے بحث کی ہے وہیں بعض مقامات پر املا سے بھی بحث کی ہے۔ خطوط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب قواعد زبان، تلفظ اور املا کا بطور خاص خیال رکھتے تھے اور اپنے احباب اور شاگردوں کی توجہ بھی اس طرف مبذول کراتے رہتے تھے۔

> "خواجہ نصیر الدین طوسی آٹھ حرف کا زبان فارسی میں نہ آنا لکھتے ہیں اور دال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے۔ الا کوئی لغت فارسی ایسا بتایئے کہ جس میں ذال آئی ہو۔ گزاشتن گزشتن و پر رفتن "سبزے سے ہے۔ "کاغذ "دال مہملہ سے ہے، اس کا ذال "سے لکھتا اور کو اغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے نہ تحقیق۔ "آدر "اسم آتش بہ دال ابجد ہے نہ یہ ذال محمد۔ کوئی لفظ متحد المخرج فاری میں نہیں، بلکہ قریب المخرج بھی نہیں۔ زنے کے ہوتے "ذال' کیوں کر ہو گی''۔ [2]

غالب نے یہ خط صاحب عالم مارہروی کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے حرف "اور سے بحث کی ہے اور زکے ماخذات مثلاً گزاشتن گزشتن، "پر رفتن وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ غالب کے نزدیک فارسی حروف تہجی میں ڈال "شامل نہیں ہے اور وہ خاص طور پر فارسی الاصل لفظوں میں ذال'' لکھنے کو غلط سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ غالب "کاغذ کو کاغذ "اور "آذر "کو "آدر'' لکھتے تھے۔ لہذا ضروری ہے کہ غالب کی تحریروں میں ایسے تمام مشتقات کو '' دال مہملہ سے لکھا جائے۔ محولہ بالا خط پر تبصرہ کرتے ہوئے رشید حسن خان املائے غالب میں لکھتے ہیں:

> "مرزا صاحب یہ مانتے تھے کہ فارسی حروف تہجی میں '' ذال' شامل نہیں، اسی بنا پر وہ فارسی الاصل لفظوں میں ڈال لکھنے کو غلط سمجھتے تھے۔ ' آور فارسی کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: آگ..... مرزا صاحب کی اس وضاحت کی بنا پر، ان کی اردو فاری تحریروں میں آگ کے معنی میں آور لکھنا چاہیے: "آذر' لکھنا درست نہیں ہو گا'' ۔ [3] ننگے پاؤں واؤ کے صفحے کو اشباع کیسا؟ یہ تو ترجمہ یابم کا ہے اور پھر پاؤں کی یہ الاغلط—پانو گا نو'' چھان۔ [4]

یہ خط غالب نے قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کے نام تحریر کیا ہے۔ اس میں غالب نے لفظ پاؤں سے متعلق اپنی رائے لکھی ہے کہ اس کا صحیح املا پانو ہے۔ چنانچہ غالب کی تحریروں میں جہاں بھی یہ لفظ آئے گا وہاں پاؤں "کا لفظ '' نو کے ساتھ یعنی پانو لکھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ غالب نے اپنی غزل جس کی ردیف "پانو ہے، ردیف "ن "کے بجائے ردیف ' میں رکھی ہے۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے: "دھوتا ہوں جب میں پینے کو اس سیم تن کے پانو/ رکھتا ہے، ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو "[5]

رشید حسن خان املائے غالب میں غالب کی مندرجہ بالا رائے سے متعلق تحریر کرتے ہیں:

> "یافتن فارسی کا مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں: پانا۔ اس کے فعل مضارع کا صیغہ واحد متکلم ہے۔ کیا ہم جس کے معنی ہیں: میں پاؤں۔ مرزا صاحب کا کہنا یہ ہے کہ پاؤں'' تو اہم "کا ترجمہ ہوا۔ یعنی یہ فعل ہو اجب کہ پانو فعل نہیں، اسم ہے۔ پانو کو اگر پاؤں لکھا جائے گا تو اس کے معنی بدل جائیں گے، پیر کے بجائے اس کے معنی ہوں گے: میں پاؤں (جیسے لانا سے لاؤں، کھانا سے کھاؤں، جانا سے جاؤں، اسی طرح پانا سے پاؤں۔ "[6] تڑپھنا ترجمہ تپیدن'' کا املا یوں ہے، نہ تڑپنا بائے فارسی اور نون کے درمیان ہائے مخلوط التلفظ ضرور ہے۔ [7]

غالب کا یہ خط بھی قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کے نام ہے۔ اس میں انھوں نے لفظ "تڑپنا سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ غالب کے نزدیک تڑپھنا صحیح ہے نہ کہ تڑپنا ۔ رشید حسن خاں نے بھی املائے غالب میں غالب کے اس بیان کے پیش نظر یہ لکھا ہے کہ ان کی نظم و نثر میں اس مصدر کے بھی مشتقات و ماخذات کو ہائے مخلوط سے لکھا جانا چاہیے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

> "قول غالب کے پیش نظر تربنا اور تڑپتی صحیح املا نہیں۔ تڑپھنا اور تڑپھتی ہونا چاہیے۔ مرزا صاحب کی نظم و نثر میں اس مصدر کے بھی مشتقات کو مع ہائے مخلوط لکھا جانا چاہیے۔ تربھنا، تڑپھتا، توپھا، توبھتی ہے، ترچھے گا وغیرہ۔ "[8] طیار صیغہ مبالغہ کا ہے لغت عربی، املا اس کے طالے علی سے طیر "ثلاثی مجرد طائر "فاعل طیور "جمع۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا، حقیقت بدل گئی۔ طوئے "" تے'' بن گئی۔ یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا۔ بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز "فلاں شکرہ، طیار، شدہ است وصید می گیرد بہر حال اب تاے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا۔ اس لفظ کو مستحدث اور دراصل اردو اور بہ تاے قرشت، بہ معنی آمادہ، اشخاص اور اشیا پر عام تصور کرنا چاہیے۔ اور عبارت فارسی میں اس کا استعمال کبھی جائز نہ ہو گا۔ "[9]

حرفِ سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

غالب نے یہ خط سید غلام حسنین قدر بلگرامی کو لکھا ہے۔اس خط میں غالب نے لفظ "طیار سے متعلق بعض باتیں تحریر کی ہیں۔مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ فارسی میں طیار کا استعمال ہوتا ہے جب کہ اردو میں خود انھوں نے تیار اور تیاری تحریر کیا ہے۔غالب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ لفظ "تیار فارسی میں کبھی جائز نہ ہوگا۔رشید حسن خاں نے املا ئے غالب میں غالب کی مندرجہ بالا اندازِ تحریر کے متعلق لکھا ہے :

"مرزا صاحب نے اردو میں تیار اور تیاری ہی لکھا ہے صرف دو مثالیں: اب آپ اس کو جلد تیار کروائیے۔(مکتوب بنام حکیم غلام نجف خاں عکس: رسالہ آجکل (نئی دہلی) غالب نمبر، فروری ۱۹۶۵ء) روپیہ مل جائے تو اس مہینے میں تیاری ہو رہے۔) مکتوب بنام نواب کلب علی خاں عکس: مرقع غالب ص: ۲۷۵)۔"[10] نور سعادت از جبہ قاصدم چکد یہ کیا ترکیب ہے؟ جب بروزن "چشم" ہے۔یعنی دو ہائے ہوز ہیں۔جبہ قاصد ایک ہائے ہوز کہاں گئی"[11]

یہ خط غالب نے منشی ہرگوپال تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس میں انھوں نے تفتہ کے کلام پر اصلاح دیتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ "جبھہ میں دو ہائے ہوز ہیں۔جبہ غلط ہے۔اس کا صحیح املا "جبھہ " ہے اور یہ چشمہ کے وزن پر ہے۔

"وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ و جمشید د خسرو کے عہد میں مروج تھی، اس میں خر" بہ خائے مضموم نور قاہر "کو کہتے ہیں اور چوں کہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے، اسی واسطے آفتاب کو خر لکھا اور شید "کا لفظ بڑھا دیا۔"شید بہ شین مکسور دیائے معروف بروزن "عید روشنی کو کہتے ہیں یعنی یہ اس نور قاہر ایزدی "کی روشنی ہے۔فکر "اور "شید "یہ دونوں اسم "آفتاب کے ٹھہرے۔جب عرب و عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ وہ منبع علوم ہوئے، واسطے دفع التباس کے فکر میں واو معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا۔ہر آئینہ متاخرین نے اس قاعدے کو پسند کیا اور منظور کیا۔اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت مستحسن ہے۔فقیر جہاں ربے اضافہ لفظ "شید "لکھتا ہے، موافق قانون عظمائے عرب بہ واو معدولہ لکھتا ہے، یعنی " خور اور جہاں یہ اضافہ لفظ "شید "لکھتا ہے وہاں یہ پیروي بزرگان پاری سر بہ سر لفظ خور "کو بے واو لکھتا ہے، یعنی فرشید ظر" کا قافیہ "در "اور "بر کے ساتھ جائز اور روا ہے خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔وہاں بے داد کیوں لکھوں مگر مع الواو کو غلط نہیں جانتا۔اور سحر کو کبھی بے داد نہ لکھوں گا۔قافیہ ہو یا نہ ہو، یعنی نظم میں وسط شعر میں آپڑے یا نثر کی عبارت میں واقع ہو "خور لکھوں گا۔یہ بات بھی تم کو معلوم رہے کہ جس طرح کر "ترجمہ قاہر "کا ہے اسی طرح جم ترجمہ " قادر کا ہے کہ یہ اضافہ لفظ " شید اسم شہنشاہ وقت قرار پایا ہے "۔[12]

غالب نے یہ طویل خط میر مہدی مجروح کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں غالب نے لفظ "خور اور فرشید پر جو لغوی تحقیق کی ہے یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔یہاں صرف یہ بتانا ضروری ہے کہ غالب خورشید کو غلط نہیں مانتے تھے لیکن خود خرشید یعنی بغیر واد کے لکھتے تھے۔اس لیے مناسب ہے کہ غالب کی نظم و نثر میں جہاں یہ لفظ آئے وہاں خرشید بغیر واد کے لکھا جائے اور اس کے لیے ضروری ہے۔

رشید حسن خان املائے غالب میں مذکورہ بیان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرزا صاحب نے خورشید کو غلط نہیں کہا، البتہ وضاحت کے ساتھ اپنا نقطہ نظر پیش کر دیا ہے۔اور تاکیدی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ میں خور اور خورشید لکھتا ہوں۔اس بنا پر مرزا صاحب کی اردو، فارسی نظم و نثر میں لازما اسی کی مطابقت اختیار کی جائے۔یعنی خور" اور " خرشید" لکھیں گے۔ان لفظوں کے سلسلے میں مرزا صاحب کی رائے سے اختلاف کیا گیا ہے، انکے باوجود مرزا صاحب کے کلام میں ان کی وضاحت کے مطابقان لفظوں کو لکھا جائے گا۔نسخہ عرشی میں اس کی پابندی کی گئی ہے۔
[13]"

اس حوالے سے پروفیسر نذیر احمد اپنی کتاب "غالب پر چند مقالے "میں تحریر کرتے ہیں:

"خرشید" کے اس طرح کے املا کی جو غالب نے پیروی کی ہے اس کے لیے سند موجود ہے، البتہ ان کا یہ بیان ہے کہ یہی املا اصلا صحیح ہے اور متاخرینےاس املا میں تصرف کیا ہے مشتبہ ہے، بات یہ ہے کہ اصل میں خورشید تھا جس کو فارسی کے دور اول میں خرشید میں بدل دیا گیا۔بالآخر دور متاخر میں پھر وہی ابتدائی صورت یعنی خورشید برقرار رکھی گئی۔غالب کا یہ قول بھی درستن ہیں کہ عظمائے عرب کے قانون کی پیروی میں انھوں نے فخر میں واد کا اضافہ کیا تھا۔اس تبدیلی کا عظمائے عرب اور ان کے قانون سے کوئی تعلق نہیں"۔[14] "دویم بروزن جویم غلط دوم' ہے۔بغیر تحتانی۔بالفرض تحتانی بھی لکھیں، تو دیم پڑھیں گے۔اگرچہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

لکھیں گئے دویم'۔ واو کا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں دومی درست ہے، مگر نہ بہ حذف تحتانی مثل زمی نہ حذف نون، بلکہ بہ طریققلب بعض دویم"کا"دومی"ہو گیا۔"[15]

غالب نے یہ خط منشی ہر گوپال تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس کا ماحصل یہ ہے کہ صحیح لفظ "دوم اور دومی" ہے۔ دویم نہیں لکھنا چاہیے۔ غالب نے مسائل املا کے بارے میں کچھ اصول اور طریق کار پر بھی گفتگو کی ہے۔ ہمارے مطالعے کی حد تک خطوط غالب میں ایسے مباحث کی تعداد چار تک پہنچتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی تفصیل یہاں پیش کر دی جائے۔

"یاد رکھو، یاسے تحتانی تین طرح پر ہے: جزو کلمہ :'مصرع: ہمائے بر سر مرغان ازاں شرف دارد مصرع: اے سر نامہ نام تو عقل گرہ کشائے را۔ یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یائے تحتانی ہے، جزد کلمہ ہے۔ اس پر ہمزہ لکھنا گویا عقل کو گالی دینا ہے۔ دوسرے تحتانی مضاف ہے۔ صرف اضافت کا کسرہ ہے۔ ہمزہ وہاں بھی نقل ہے، جیسے آسیاے چرخ یا آشناے قدیم۔ توصیفی، اضافی، بیانی کسی طرح کا کسرہ ہو، ہمزہ نہیں چاہتا فدائے تو شوم' رہنمائے تو شوم یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ تیسری دو طرح پر ہے: یاسے مصدری اور وہ معروف ہو گی۔ دوسری طرح: توحید و تنکیر۔ وہ مجہول ہو گی مثلاً مصوری: آشنائی، یہاں ہمزہ ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور۔ توحیدی: آشنائے یعنی ایک آشنا یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے، دانا نہ کہاؤ گئے۔"[16]

غالب نے یہ خط مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔ انہوں نے یہ خط تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں انھوں نے ہمزہ لکھنے کے ایک اصول پر گفتگو کی ہے کہ جو یائے تحتانی جزو لفظ ہوتی ہے اس پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے مثلاً عقل گرہ کشائے، بازوے زور آزماہے، ماہما سے گرم پرواز یم وغیرہ۔

اس خط کے دوسرے حصے میں غالب نے اضافت کے سلسلے میں اہم اصول کو بیان کیا ہے کہ اضافت کے تحت آخر لفظ میں واقع یائے تحتانی پر کسی بھی صورت میں ہمزہ نہیں آئے گا۔ اس کے مطابق قاعدہ یہ ہے کہ جن لفظوں کے آخر میں الف ہوتا ہے اور ان کو ترکیب اضافی کے ساتھ لایا جاتا ہے اور ایسے لفظوں کے آخر میں اضافت کی علامت کے طور پر یائے مجہول کا اضافہ کیا جائے گا۔ جیسے ابتدائے عشق، انتہائے شوق وغیرہ۔

اس خط کے تیسرے حصے میں ہمزہ ہی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے غالب نے بتایا ہے کہ یائے مصدری معروف ہوتی ہے اس پر ہمزہ لکھنا ضروری ہے۔ مثلاً آشنائی، توانائی، رعنائی وغیرہ۔ اس کے بر خلاف یائے وحدت و تنکیر مجہول ہوتی ہے، لیکن اس پر بھی ہمزہ لکھنا ضروری ہے۔ مثلاً آشنائے (ایک آشنا یا کوئی آشنا) خدائے کہ (ایسا خدا جس نے) حاصل کلام یہ ہے کہ یا مصدری ہو یا یا وحدت و تنکیر، غالب کے نزدیک دونوں پر ہمزہ لکھنا ضروری ہے۔ غالب کے مذکورہ بالا خط پر تبصرہ کرتے ہوئے رشید حسن خاں نے لکھا ہے:

"اس بیان کے پہلے حصے میں یہ کہا گیا ہے کہ جو یا تحتانی جز ولفظ ہوتی ہے، اس پر ہمزہ نہیں لکھنا چاہیے، جیسے رائے والے، ہائے، برائے، بجائے، سرائے، سوائے، داستاں سرائے عقل گرہ کشائے، بازوے زور آزمائے، اس سے پر ہمزہ لکھنا، مرزا صاحب کے الفاظ میں عقل کو گالی دیتا ہے۔ ایسے لفظوں کو مرزا صاحب نے خود بھی اسی طرح (ہمزہ کے بغیر) لکھا ہے۔ مثلاً سوالے ایک شخص کے "[17]"اس بیان کے دوسرے حصے میں اضافت کے سلسلے میں نہایت اہم قاعدے کو بیان کیا گیا ہے کہ اضافت کے تحت آخر لفظ میں واقع یائے تحتانی پر کسی بھی صورت میں ہمزہ نہیں آئے گا۔ مرزا صاحب نے یہ بات صاف لفظوں میں لکھی ہے کہ جو یائے مضاف ہو گی (وہ خواہ توصیفی ہو، بیانی ہو، اضافی ہو) اس پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا۔ اس کے مطابق قاعدہ یہ ہو گا کہ جن لفظوں کے آخر میں الف ہوتا ہے اور ان کو ترکیب اضافی کے ساتھ لایا جاتا ہے، ایسے لفظوں کے آخر میں اضافت کی علامت کے طور پر یے کا اضافہ کیا جائے گا اور یہ مان لیا جائے گا کہ یہ یے مکسور ہے، اضافت کا زیر اس کے نیچے نہیں لگایا جائے گا۔ اس بنا پر کہ اس سے کی حیثیت خود ہی علامت اضافت کی ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور علامت اضافت (زیر) کا لانا قطعاً ضروری نہیں، مناسب بھی نہیں (جیسے) اجزاے پنسن، ابناے روزگار۔۔"[18]"اے کر ہے کہ از خزانہ غیب''۔ ہر گزیائے معروف نہیں ہے یائے مجہول ہے۔ یائے معروف یہاں نامقبول ہے۔ خدائے کہ بالا و پست آفرید ایسا خدا، ایسا کریم اس تحتانی کو یائے وحدت کہو، یا توصیف کہو، یاسے تعظیم کہو، جس طرح کہو یائے مجہول آئے گی۔"[19]

ذو معنین یعنی دو معنی دیتا ہے ایک تو کب یعنی کس وقت اور دوسرے معنی اس کے ہیں حاکم اور مالک کے۔ الف جو اس کے آگے آتا ہے وہ کثرت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے خوشا"بہت خوش بدا' بہت بد"کیا بڑا حاکم۔

یافتند از عشق اور کار کیا/عشق آن بگزیں کہ جملہ اولیا/یعنی بہ سبب عشق کار بزرگ یافتند/چاکری کردیم تاکار کیائی یافتیم / سر فرو بردیم تا بر سر دراں سرور شدیم۔ یہاں بھی وہ "کار بزرگ، یعنی بڑا کام۔ پس تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے اگر معروف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہے تو مصدری ہے۔"[20] اور یہ کہاں کا دستور ہے کہ یائے معروف کے تلے دو نقطے دیے جائیں۔ معہذا سوال یہ ہے کہ زہد ریائی کی تحتانی کو مجہول کون کہتا ہے؟ توحید اور تنکیر اور توصیف کے لیے مجہول ہوتی ہے اور نسبتی اور مصدری 'ے معروف ہوتی ہے۔ خدا جانے تمہاری طبیعت تم کو کدھر لے گئی۔ یاد رہے کہ مجہول ''یے کی کوئی علامت نہیں، الف، بے، تے میں استاد پڑھاتا ہے کہ ئے کے تلے دو نقطے۔ مرکبات میں اگر وسط میں نے آپڑے گی تو اس کے تلے بے شبہ دو نقطے دے دیں گے اور آخر لفظ میں اگر آئے گی تو چاہو فقط دو چاہے نہ دو۔ تم کیا سمجھے اور کسی قواعد کے رسالے میں یہ قانون دیکھا ہے؟ سب سے بڑھ کر اس مصرعہ میں داغم از زہد ریا سے دم آبی ساقی ریائے کی یے کو مجہول کیوں کر کہتے ہو؟ یہ تو نسبتی ہے۔ معروف ہوا چاہے۔ لیجے کو تحریر میں کیوں کر لاؤں اور معروف و مجہول کی حقیقت تم کو کیوں کر سمجھاؤں؟ مرا یاری است سنگین دل ستم کرست پیا نبیارے کے لیے مجہول "سنگین" کے لیے معروف'' پیانے کے لیے مجہول۔ ''دم آبی ساقی و عتابی ساقی۔ یہ جو تمہاری غزل ہے، اس میں قوافی کی تحتانیاں سب مجہول ہیں اور ردیف کی تحتانی معروف۔"[21] یاد رکھو، یا سے تحتانی تین طرح پر ہے. تیسری دو طرح پر ہے۔ یائے مصدری اور وہ معروف ہو گی۔ دوسری طرح توحید و تنکیر، وہ مجہول ہو گی۔"[22]

غالب نے خط نمبر ۲ چودھری عبدالغفور سرور کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں غالب نے یائے معروف و مجہول کے فرق کو واضح کیا ہے۔ مثال کے طور پر "اے کریے! میں یائے مجہول ہی مقبول ہے اور اسے اے کریمی، یعنی یائے معروف لکھنا نامقبول ہے۔ ایسا خدا، ایسا کریم، اس تحتانی کو یائے وحدت، یائے توصیف اور یائے تعظیم جس طرح بھی کہا جائے، یائے مجہول ہی ہو گی۔

خطر نمبر 3 منشی کیول رام ہشیار کے نام لکھا گیا ہے۔ اس میں غالب نے اصلاً یائے مجہول کا ہی ذکر کیا ہے لیکن اس کے ساتھ لفظ "کے بروزن "مے" کی بحث بھی آگئی ہے جس کا تعلق لغت سے ہے۔ اس خط میں غالب نے ایک نکتہ اور بیان کیا ہے۔ یعنی کے دو معنی دیتا ہے ایک تو کب اور دوسرے حاکم اور اس کے آگے اگر الف بڑھا دیا جائے یعنی کیا تو وہ کثرت کے معنی دیتا ہے یعنی بڑا حاکم۔ غالب نے مذکورہ شعر میں "کارکیائی یعنی بڑا کام کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تحتانی اگر مجہول ہے تو تعظیمی ہے اور اگر معروف ہے تو مصدری ہے۔

غالب نے خط نمبر ۴ عبدالرحمن تحسین کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یائے معروف کے نیچے دو نقطے دینا خلاف قاعدہ ہے۔ اس خط میں بھی غالب نے یائے مجہول سے ہی بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ یائے مجہول کی کوئی علامت نہیں ہوتی ہے۔ اگر یہ مرکبات میں وسط میں آپڑے تو اسکے نیچے دو نقطہ دے دیں گے۔ اور آخر لفظ میں آئے تو کوئی ضروری نہیں ہے چاہے نقطہ دیا جائے اور چاہے نہ دیا جائے۔ غالب نے یائے مجہول کی مختلف مثالیں بھی دی ہیں۔ مثلاً بارے، پیانے وغیرہ۔

غالب نے خط نمبر ۵ مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط پر تفصیل کے ساتھ ایک خط میں بحث کی جا چکی ہے یہاں صرف یہ بتانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بھی غالب نے یائے مجہول پر گفتگو کی ہے۔ ان تمام خطوط پر تبصرہ کرتے ہوئے املا کے ماہر رشید حسن خان املا ہے غالب میں تحریر کرتے ہیں:

"مرزا صاحب کی وضاحت کے مطابق (نیز لغات اور کتب قواعد کی صراحتوں کے مطابق) یائے وحدت، یائے تنکیر اور یائے تعظیم مجہول ہوتی ہے۔ اس کے مطابق اس کو یائے مجہول کی صورت میں لکھا جائے گا یعنی شخصے (ایک شخص، یا کوئی شخص) خدائے کہ ایسا خدا جس نے) ایسے کلمات کے آخر میں اگر ی (یعنی معروف شکل) لکھی جائے گی تو اسے نادرست کیا جائے گا''۔[23] "خستہ بستہ "تازہ" غازہ، خانہ، دانہ، آوارہ بیچارہ، روزہ" بوزہ" ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یائے توحید آتی ہے تو اس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ زرہ" گرہ" کلاہ شاہ" آگا"، "آگی" "صبح گاہ": "صبح گہ ایسے الفاظ کے آگے اگر تحتانی آتی ہے تو "زرہے"، "گرہے" کلاہے"، "تاہے" آگاہے آگئے گاہے گئے لکھ دیتے ہیں"[24]

یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا گیا ہے کہ اس خط میں غالب نے املا کے بعض اصولوں، کے حوالے سے رہنمائی کی ہے۔ یعنی ہائے مختفی والے کلمات کے آخر میں جب یائے وحدت آتی ہے تو ئے'' کر کے اس کی علامت کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ مثلاً خستہ سے خستہ ء، بستہ سے بستہ ء، وغیرہ۔ اس کے بر خلاف جن کلمات کے آخر میں ہائے ملفوظ ہوتی ہے، اس کے آخر میں "ے" لکھ دیتے ہیں مثلاً زرہ سے زرہے، کلاہ سے کلاہے وغیرہ۔ جناب رشید حسن خاں نے بیان کیا ہے:

"جن لفظوں کے آخر میں ہائے ملفوظ ہوتی ہے ان کے آخر میں یائے وحدت اور یائے تنکیر کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے راہے، شاہے، ماہے، کلاہے (وغیرہ)۔ جن لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی ہوتی ہے، ان میں اس مختفی و پر ہمزہ لکھ دیا جاتا تھا۔ (ہے) جیسے: جلوہ (ایک جلوہ یا کوئی جلوہ) پردہ (ایک پردہ یا کوئی پردہ)۔"[25]

مکتوباتِ غالب کی روشنی میں مسائلِ مفردات کی نشاندہی کرنے سے قبل مفردات کی مختصر تعریف کو بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ مفردات، مفرد کی جمع ہے اور مفرد ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جو بامعنی ہو اور اکیلا اپنے معانی پر دلالت کرتا ہو۔ اس کو موضوع اور کلمہ بھی کہا جاتا ہے۔ "بلا رہائے اس میں کیا تامل ہے؟ لفظ صحیح اور پورا تو ہی ہے۔ "ربا" اس کا مخفف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہے۔"[26]

غالب نے یہ خط مرزا تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے غالباًان سے پوچھا کہ بلار بائے میں ے "کا اضافہ درست ہے یا نہیں۔اس کا جواب دیتے ہوئے غالب تحریر کرتے ہیں کہ صحیح اور پورا لفظ یہی ہے اور ر باتو اس کا مخفف ہے۔

> لفظ "بے پیر تورانی بچہ ہائے نژاد کا تراشا ہوا ہے۔جب میں اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو نہیں باندھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیوں کر اجازت دوں گا؟۔"مرزا جلال امیر علیہ الرحمہ مختار ہیں اور ان کا کلام سند ہے۔میری کیا مجال ہے کہ ان کے باندھے ہوئے لفظ کو غلط کہوں۔لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیر زادہ ایران ایسا لفظ لکھے" بے پیر ایک لفظ ٹکسال باہر ہے"۔" 27

یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا گیا ہے۔یہاں غالب نے لفظ" بے پیر پر گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ اہل ایران کا بنایا ہوا لفظ نہیں ہے بلکہ اسے تورانیوں نے بنایا ہے اور میرے نزدیک اس کا استعمال فارسی میں ہی نہیں بلکہ اردو میں بھی مناسب نہیں ہے۔معلوم ہوا کہ بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا استعمال اردو میں تو جائز ہے، لیکن فارسی میں غیر موزوں ہوتا ہے۔ عرشی صاحب نے اپنی مرتبہ کتاب "فرہنگ غالب"میں غالب کا یہی بیان من وعن نقل کیا ہے۔اپنی کوئی رائے نہیں دی ہے۔

> "میاں خمیدن بھی صحیح اور چمیدن" بھی صحیح۔اس میں کس کو تردد ہے؟ مگر لغت اور محاورے اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں کیا جاتا۔ہندوستان کے باتونی لوگوں کو خم وچم بولتے سنا ہے۔آج تک کسی نظم ونثر فارسی میں یہ لفظ نہیں دیکھا۔لفظ پیارا" مجھے کو بھی پسند مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اس کو کیوں کر صحیح جانوں؟"حمید صیغہ ماضی کا ہے "حمیدن سے اور حمیدن ایک مصدر ہے صحیح اور مسلم۔حمد مضارع۔"چم امر۔اس میں کیا گفتگو ہے؟کلام "خم وچم میں ہے"۔[28]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا ہے۔غالب کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے ان سے لفظ "خم وچم کے بارے میں پوچھا ہے۔اس کا جواب دیتے ہوئے غالب اپنی رائے دیتے ہیں کہ یہ لفظ میں نے آج تک فارسی نظم ونثر میں نہیں دیکھا۔ہاں "خمیدن اور چمیدن صحیح ہیں۔معلوم ہوا کہ الفاظ کا استعمال اہل زبان کے مطابق ہونا چاہیے۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں اپنی کوئی رائے دیے بغیر غالب کا بیان تحریر کیا ہے۔

> "ایامے چند،، میں جمع الجمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے۔بلکہ فقیر کے نزدیک جمع الجمع ہی نہیں ہے۔مثلاً" معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند" یہ آدمی لکھ سکتا ہے مگر ہاں "آمال ہا یہ کھلی سور ٹھ ہے۔"خطائے بزرگان گرفتن خطاست،، ہم کو اپنی تہذیب سے کام ہے۔اغلاط میں سند کیوں ڈھونڈتے پھریں۔"[29]

یہ خط بھی مرزا تفتہ کے نام لکھا گیا ہے۔اس میں غالب نے جمع الجمع سے بحث کی ہے۔یعنی اگر کوئی لفظ جمع ہے تو پھر سے اس کی جمع بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ غالب کا خیال ہے کہ اگر کوئی لفظ جمع ہے تو دوبارہ اسے جمع بنا کر نہیں استعمال کرنا چاہیے۔ان کے نزدیک ایامے چند معانی چند احکام چند "اور اسرار چند جمع الجمع، نہیں ہیں اس لیے انھیں استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس کے بر خلاف "آمال ہا،، جمع الجمع ہے اس لیے اس کا استعمال مناسب نہیں ہے۔اب اگر یہ جمع الجمع متقدمین کے یہاں آئے تو اس کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

> "نیم گناہ ونیم نگاہ ونیم ناز ، یہ روز مرہ اہل زبان ہے۔نیم بہ معنی اندک۔ورنہ گناہ کا آدھا اور نگا کی ادھواڑ اور ناز آدھا، یہ مہملات میں ہے،ان چیزوں کا مناصفہ کیا؟اگر تم کو نیم گناہ پسند نہیں تازہ گناہ" رہنے دو" [30]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا ہے۔غالب کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے اپنی تحریر میں "نیم گناہ استعمال کیا تھا پھر انہیں لفظ "نیم "پر شبہ ہوا کہ نیم تو آدھے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اس کا جواب دیتے ہوئے غالب تحریر کرتے ہیں کہ ایسے مرکبات میں لفظ نیم" اپنے لغوی معنی (آدھا) میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ اس کے معنی تھوڑے کے ہیں۔غالب نے بعض مثالیں اور پیش کی ہیں۔مثلاً" نیم نگاہ، نیم ناز وغیرہ۔اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا استعمال روز مرہ اہل زبان کے مطابق ہے۔عرشی صاحب نے بھی فرہنگ غالب میں نیم بہ معنی اندک ہی تحریر کیا ہے۔جو غالب کے بیان سے مطابقت رکھتا ہے۔

> "شیہہ بہ معنی صداے اسپ لغت فارسی ہے، بہ شین مور دیاے معروف وہاے ہوز مفتوح وہاے ثانی زدہ اور عربی میں اس کو صہیل "کہتے ہیں۔صیبہ "کوئی لغت نہیں ہے، نہ عربی نہ فارسی۔اگر غنیمت کے کلام میں صیبہ،، لکھا ہے تو کاتب کی غلطی ہے۔غنیمت کا کیا گناہ ہے"۔[31]

غالب نے یہ خط میں بھی تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے ملا غنیمت کنجاہی کا کلام پیش کرتے ہوئے لفظ صیبہ "کے معنی معلوم کیے ہیں اس کے جواب میں غالب نے لکھا کہ صیبہ "کوئی لفظ نہیں ہے، نہ عربی میں اور نہ ہی فارسی میں۔پھر بتایا کہ اصل لفظ شیہہ "ہے اور یہ فارسی لغت ہے اس کے معنی گھوڑے کے ہنہنانے کے ہیں،اس کی عربی "صہیل "ہے۔اگر غنیمت کے کلام میں صیبہ،، آیا ہے تو یہ کاتب کی غلطی ہو سکتی ہے۔اصل لفظ شیہہ ہی ہے۔مولانا امتاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں لفظ"شیہہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

سے متعلق غالب کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔"بھائی! مہر خواں کے دو معنی ہیں: ایک تو خطاب کہ جو سلاطین، امرا کو دیں اور دوسرے وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھیں یعنی "عرف"۔[32]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں انھوں نے مہر خواں" کے معنی بتائے ہیں کہ اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ایک خطاب "جو سلاطین کی طرف سے امرا کو دیے جاتے ہیں اور دوسرے معنی "عرف" کے ہیں یعنی وہ نام جو لڑکوں کا پیار سے رکھا جائے۔فرہنگ غالب میں عرضی صاحب نے مہر خواں کے ضمن میں درج ذیل عبارت تحریر کی ہے: "بمیم مکسور، نامی کہ از مہر بر اطفال نہند، عرف و خطابی کہ شاہان بامرا دہند"[33]"انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں۔تم نے خاتم بہ معنی نگین باندھا۔یہ غلط۔"[34]

یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا گیا ہے۔اس خط میں غالب نے تفتہ کو ان کی ایک غلطی کی جانب متوجہ کیا ہے۔تفتہ نے خاتم "بمعنی" نگین استعمال کیا تھا۔غالب نے لکھا ہے کہ خاتم نمکین کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا ہے۔خاتم انگشتری کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں غالب کے اسی بیان کا حوالہ دیا ہے۔

" دراعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔اصل لغت مشدد ہے، شعرا اس کو مخفف بھی باندھتے ہیں۔سعدی کے مصرعے سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔یاد رہے جاؤ اور دراللہ دونوں عربی لغت ہیں وہ" دال" کی تشدید سے اور یہ "رے کی تشدید سے مگر خیر جادہ اور درایہ بھی لکھتے ہیں۔یہ نہ کہو کہ دراعہ ہر گز نہیں ہے۔یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے۔میں ایسا جانتا ہوں کہ "دراعد" بہ تشدید ہے اور وہ "درع" بہ وزن "زرع" اور لغت ہے۔"[35]

تفتہ کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے لفظ دراعہ "اور" جادہ کے تلفظ سے متعلق گفتگو کی ہے۔تفتہ کا خیال تھا کہ لفظ "دراعہ "کی تخفیف کے ساتھ ہی درست ہے۔اس میں """کی تشدید بالکل ناجائز ہے۔اس کے جواب میں غالب نے لکھا کہ "جاؤہ" اور "دراعہ دونوں عربی لفظ ہیں اور دونوں میں بالترتیب "و" اور """ مشدد ہیں البتہ فارسی میں ان دونوں لفظوں کو یہ تخفیف بھی استعمال کر لیتے ہیں۔عرشی صاحب نے بھی فرہنگ غالب میں غالب کے اس بیان سے اتفاق کیا ہے۔"جود" لغت عربی ہے یہ معنی "بخشش" "جواز صیغہ ہے صفتِ مشبہ کا بے تشدید۔"[36]

تفتہ کے نام اس خط میں غالب نے لفظ "جواد سے متعلق بحث کی ہے۔خط سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ کو اس بات کا شبہ ہوا کہ یہ لفظ "جواد، واؤ کی تشدید کے ساتھ ہے اس کے جواب میں غالب نے تحریر کیا کہ یہ لفظ بے تشدید ہے یعنی "جواد اور مادہ اس کا "جود" ہے جو عربی لغت ہے اور جس کے معنی بخشش کے ہیں۔عرشی صاحب نے فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔

"زمان" لفظ عربی "ازمنہ جمع، دونوں طرح فارسی میں مستعمل۔زمانے، یک زمان، ہر زمان، زمان زمان دور میں زمان، در آن زمان، سب صحیح اور فصیح۔جو اس کو غلط کہے وہ گدھا۔بلکہ اہل فارس نے مثل موج و موجہ یہاں بھی "ہے" بڑھا کر زمانہ" استعمال کیا ہے۔" یک زمان کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہو گا"[37]

غالب نے یہ خط تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے اپنی کسی عبارت میں " یک زمان استعمال کیا پھر انھیں اس کی صحت میں شک پیدا ہوا کہ یہ غلط ہے یک زمانہ ہونا چاہیے۔اس کے جواب میں غالب نے لکھا کہ "زمان" عربی لفظ ہے۔اور ازمنہ" اس کی جمع اور یہ دونوں طرح سے فارسی میں استعمال ہوتا ہے۔مزید لکھا کہ یک زمان، ہر زمان، زمان زمان، در میں زمان، در آن زمان سب صحیح اور آسان فہم ہیں۔اس کے ساتھ ہی غالب نے ایک اہم بات یہ بھی بتائی کہ اہل ایران بعض عربی الفاظ کے آخر میں ہائے زائدہ کا اضافہ کر کے استعمال کرتے ہیں، اور اس میں کوئی عجیب بات نہیں ہے۔مثلاً موج" سے مروجہ اور زمان سے زمانہ وغیرہ۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اپنی مرتبہ کتاب "فرہنگ غالب میں غالب کا ہی بیان نقل کیا ہے۔ اپنی کوئی رائے نہیں دی ہے۔

"ریمیا د میمیا خرافات ہے۔اگر ان کی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون اور بو علی، یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے۔"کیمیا اور سیمیا دو علم شریف ہیں۔جو اشیا کی تاثیر سے تعلق رکھے وہ کیمیا اور جو اسما سے متعلق ہو وہ سیمیا جاں غم سیمیا نخورد گئے دل سوے کیمیا نیاورد م شعر با معنی ہو گیا۔[38]"

یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا گیا ہے۔اس خط میں چار الفاظ "ریمیا، ہیمیا،" کیمیا اور سیمیا کا ذکر کیا گیا ہے۔اول الذکر دو لفظوں کے بارے میں غالب کا خیال ہے کہ یہ بے معنی ہیں اور اصل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔البتہ موخر الذکر دونوں لفظ علوم سے تعلق رکھتے ہیں۔پھر غالب نے اس کی وضاحت کی ہے کہ علم کیمیا میں اشیا کی تاثیر سے بحث کی جاتی ہے اور سیمیا میں ان کے اسما سے۔مولانا امتاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں موخر الذکر دونوں لفظوں کو شامل کر کے غالب کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔

"عرفی کہتا ہے:"روح را ناشتا فرستادی یعنی روح کو تو نے بھوکا بھیجا۔ناشتا اس کو کہتے ہیں جس نے کچھ نہ کھایا ہو۔ہندی اس کی نہار منہ" تم لکھتے ہو: سہ عجب ناشتا فرستادی، یعنی غداے صبح، جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے۔اس نے ناشتا بھی کیا ہے یا نہیں۔"[38]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

غالب نے یہ خط بھی مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں لفظ "ناشتا سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔تفتہ نے اپنے فارسی مصرعے میں لفظ ناشتا غذاے صبح کے معنی میں استعمال کیا تھا،غالب نے جواب میں تحریر کیا کہ فارسی میں ناشتا اس آدمی کو کہتے ہیں جس نے کچھ نہ کھایا ہو۔غذاے صبح اردو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔"دو باتیں سنو،ایک تو یہ کہ ارغنون کو بہ تین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔دراصل ارغنون بہ تین مفتوح اور مختلف اس کا ارغن اور مبدل منہ ارگن "[40]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا ہے۔اس میں غالب نے لفظ ارغنون "سے متعلق گفتگو کی ہے۔اور لکھا ہے کہ ارغنون "سے "ارغن اور اس سے ارگن'' کی تخلیق ہوئی۔عرشی صاحب نے فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بالا بیان تحریر کیا ہے۔

> "گڑگاؤں نام ہے ایک گاؤں کا،اس کو کیوں کر بدلیں؟ہاں "گربہ رائے قرشت کہیں گے لکھنو نام ہے ایک شہر کا وہ لکو بغیر ہائے مخلوط کے کہیں گے۔فی زمانا'' چھاپے''عرشی صاحب نے فرہنگ غالب میں غالب کا ہی بیان نقل کیا ہے۔ کو چاپ بولتے ہیں۔عرقی "جھگڑ کو جکر بولتا ہے۔
> آن باد کہ در ہند گرآید، جگر آید رائے ثقیلہ،ہائے مخلوطہ،تشدید یہ تینوں ثقالتیں مٹادیں"[41]

یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا گیا ہے۔اس خط میں غالب نے رائے ثقیلہ (ڑ)،ہائے مخلوطہ (ھ)اور تشدید پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل زبان راے ثقیلہ (ڑ) کے بجائے راے قرشت (ر) لکھا کرتے ہیں۔مثال کے طور پر ایک گاؤں کا نام گڑگاؤں'' ہے تو اسے گرگاؤں'' کہیں گے۔اس طرح ہائے مخلوطہ سے بھی اجتناب برتتے ہیں جیسے لکھنو کو لکنو'' لکھتے ہیں اور تشدید پر بحث کرتے ہوئے غالب نے لکھا ہے کہ عرقی جھگڑ کو جکر بولتا ہے یہ اہل زبان کے اصول ہیں اور یہی مناسب ہے۔"تم نے تن تن کا ذکر کیوں کیا؟ میں نے اس باب میں کچھ لکھا نہ تھا۔متن تن اور تنتنا اصوات ہیں تار کے۔ہندی و فارسی میں مشترک'' ۔[41]

تفتہ کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے صرف اتنا بتایا ہے کہ تن تن اور تنتنا ساز کے تاروں سے نکلنے والی آوازوں کو کہتے ہیں۔ان لفظوں کا استعمال اردو اور فارسی دونوں میں مشترک ہے۔مولانا امتیاز علی عرشی نے بھی'' فرہنگ غالب میں غالب کے یہی الفاظ لکھے ہیں۔"متن بروزن قلمزن" ہے۔فردوسی نے سو جگہ "شاہنامے میں تتمتن یہ سکون ہائے ہوز لکھا ہے۔پس کیا اس لخت کی دو صورتیں قرار پا گئیں؟لاحول ولا قوۃ۔لغت وہی یہ حرکت ہائے ہوز''۔[42]

یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا گیا ہے۔اس میں غالب نے لفظ ''تتمتن'' کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ بروزن "قلمزن" ہے۔غالب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ فردوسی نے تتمتن بہ سکون ہائے ہوز لکھا ہے۔لیکن یہ غلط ہے۔لغت وہی ہے یہ حرکت ہائے ہوز یعنی تتمتن"۔پروفیسر نذیر احمد نے اپنی مرتبہ کتاب نقد قاطع برہان میں غالب کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے۔یعنی تتمتن بہ حرکت ہائے ہوز۔مولانا عرشی نے بھی غالب کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔"نیا نبوت کے مشتقات میں سے ہر گز نہیں۔امامن ''امام'' کے مشتقات میں سے زنہار نہیں۔نبی بخش'' کا مخفف نبیا'' اور ''امام'' کا متعلق اگر مذکر ہے تو امامی اور اگر مونث ہے تو امامن"[43]ن بیا"اور "امامن کے لکھنے کو میں نے منع ہر گز نہیں کیا،شوق سے لکھو۔یہ تم کو سمجھایا تھا کہ نبیا"مخفف نبی بخش "اور "امامن متعلق بہ "امام" ہے۔مشتقات میں سے اس کو تصور نہ کرو"۔[44]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں غالب نے مشتقات اور مخفف سے متعلق بعض باتیں تحریر کی ہیں کہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔پھر نبیا اور امامن'' سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نبیا نبی بخش کا مخفف ہے اور امامن ''امام'' کا مخفف ہے۔انھیں مشتقات میں شمار کرنا غلط ہے۔

> "خالق معنی بہ عنی معنی آفریں صحیح اور مسلم اور جائزہ لیکن جس طرح اللہ میں مشدد لام کو دو لام کے قائم مقام قرار دیا ہے الہ اور الٰہی میں الف ممدودہ کو دوسرا الف کیوں کر سمجھیں،قیاس کام نہیں آتا،اتفاق سلف شرط ہے۔جب اور کسی نے الٰہی میں دو الف نہیں مانے تو ہم کیوں کر مانیں۔"[45]

تفتہ کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے اولا یہ بتایا کہ خالق معنی کے معنی معنی آفریں جائز اور صحیح ہے۔دوسری بات یہ بتائی کہ اللہ الہ اور الٰہی میں فرق ہے۔اللہ میں مشدد لام کو دو لام قرار دیا جاتا ہے لیکن الہ اور الٰہی میں الف ممدودہ (یعنی مد والا الف جے کھینچ کر پڑھا جائے) کو دوسرا الف نہیں سمجھنا چاہیے۔کیوں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔فرہنگ غالب میں غالب کے ہی بیان کو نقل کیا گیا ہے۔

> "واقعی سداب'' کا ذکر کتب طبّی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اس واسطے کاٹ دیا۔مگر اب کون سا لفظ غریب ہے جس کو اس طرح پوچھتے ہو؟خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔قراب اور سداب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہی"۔[46]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں انھوں نے لفظ سداب اور قراب سے بارے گفتگو کی ہے۔تفتہ نے اپنی کسی عبارت میں سداب' کا استعمال کیا تھا لیکن استعمال نامناسب ہونے کی صورت میں غالب نے اس پر اعتراض کیا،تفتہ نے پھر لکھا کہ لفظ ''سداب کا ذکر طبّی کتابوں کے علاوہ عرفی کے ہاں بھی استعمال ہوا ہے۔غالب نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر کیا کہ واقعی یہ لفظ ان جگہوں پر ملتا ہے،لیکن تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اس واسطے کاٹ دیا گیا۔دوسرے لفظ'' قراب'' کے بارے میں غالب نے بتایا کہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

یہ کثیر الاستعمال ہے اور خاقانی اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔ مذکورہ دونوں لفظوں کے بارے میں غالب کا خیال ہے کہ یہ لغت عربی الاصل ہیں۔ راقم نے جب عربی لغات کی طرف رجوع کیا تو لفظ کراب تو مل گیا لیکن سداب لفظ عربی لغات میں نہیں ہے۔ اس لیے لفظ "سراب" کے بارے میں غالب کا خیال کہ یہ عربی ہے درست نہیں معلوم ہوتا ہے۔

عرشی صاحب نے بھی فرہنگ غالب میں صرف لفظ قراب" کے ضمن میں لکھا ہے کہ لغت عربی الاصل صحیح ہے۔ لفظ "سداب پر انھوں نے کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔ "دویم بروزن جویم غلط روم ہے۔ بغیر تحتانی۔ بالفرض تحتانی بھی لکھیں، تو دیم پڑھیں گے۔ اگرچہ لکھیں گئے دوریم واو کا اعلان ٹکسال باہر ہے۔ ہاں" دومی درست ہے مگر نہ بہ حذف تحتانی مثل زمی نہ بہ حذف نون بلکہ بہ طریق قلب بعض دویم کارومی ہو گیا"[47]

تفتہ کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے لفظ دویم" سے متعلق بحث کی ہے کہ اصل لفظ بغیری کے ہے یعنی "دوم۔ دوسری جانب یہ بتایا کہ اگر تحتانی کے ساتھ لکھا بھی جائے تو داد کو ظاہر نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے دیم پڑھا جائے گا۔ واد کا اعلان اہل زبان کے یہاں مستعمل نہیں ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں غالب کا یہی بیان نقل کیا ہے۔

> "معلوم رہے کہ لوطیوں کے منطق میں خصوصاً اور اہل پارس کے روز مرہ میں عموماً نشستن استعارہ ہے ریدن" کا۔ چنانچہ ایک تذکرے میں مرقوم ہے کہ اصفہان میں ایک امیر نے شعرا کی دعوت اپنے باغ میں کی۔ مرزا صائب اور اس عصر کے کئی شعرا جمع ہوئے۔ ایک شاعر کہ تذکرے میں اس کا نام مندرج ہے اور میں بھول گیا ہوں، اکول تھا مگر معدہ اس کا ضعیف تھا، حرص وشرہ کے سبب سے بہت کھا جاتا تھا، ہضم نہ کر سکتا تھا۔ کھانا کھا کھا کر، شراب پی پی کر، دروازہ باغ کا مقفل کر کے سب سو رہے۔ اس مردِ اکول فضول نے رات بھر میں سارا باغ ہک بھرا۔ نہ ایک جگہ بلکہ کبھی اس کیاری میں، کبھی اس روش پر، کبھی اس درخت کے تلے، کبھی اس دیوار کی جڑ میں، قصہ مختصر غایت شرم وحیا سے دو چار گھڑی رات رہے، دیوار سے کود کر چلا گیا۔ صبح کو جب سب جاگے، اس کو ادھر اُدھر ڈھونڈا، کہیں نہ پایا۔ مگر حضرت کا فضلہ کئی جگہ نظر آیا۔ مرزا صائب نے نس کر فرمایا:
> "یاران شمار اچہ افتادہ است کہ می گوئید، فلانی در باغ نیست، می بینم کہ مخدوم ہم در میں باغ چند جا نشستہ است"۔[48]

غالب نے یہ خط علاء الدین خاں علائی کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے لفظ نشستن اور ریدن سے متعلق گفتگو کی ہے۔ غالب کا خیال ہے کہ اہل ایران کے روز مرہ میں نشستن ریدن کا استعارہ ہے۔ غالب کی اس پوری بحث کا خلاصہ یہی ہے۔ "ضمیران بروزن در گران "لغت عربی ہے نہ معرب۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ پھول ہندوستان میں ہوتا ہے یا نہیں اس کی تحقیقات از روئے الفاظ الادویہ ممکن ہے"۔[49]

علائی کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے لفظ ضمیران بروزن در گران" سے متعلق گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک پھول ہے۔ غالب کے نزدیک یہ لفظ عربی نہیں ہے اور نہ ہی کسی زبان سے لے کر اس کی عربی بنائی گئی ہے۔ اُردوئے معلیٰ میں بھی لفظ ضمیران ہی لکھا ہوا ہے، لیکن مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اپنی مرتبہ کتاب فرہنگ غالب میں مذکورہ تلفظ سے اختلاف کرتے ہوئے ضمران بروزن زر گران تحریر کیا ہے پھر غالب کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔

> "ہر چند تمہارا کلمہ ایک بذلہ ہے، لیکن اس خسر و خسرانی" نے مار ڈالا۔ کیا کہوں جو مجھ کو مزا ملا ہے؟ کہاں خسر خسران لغات عربی الاصل اور کہاں روز مرہ مشہور کہ "خسر" سرے کو کہتے ہیں۔ صنعت اشتقاق وطباق کو کس سینہ زوری سے برتا ہے۔ اچھا میرا میاں یہ "خسر" بہ معنی "پدر زن" کیا لفظ ہے؟ حروف بین الفاری والعربی مشترک ہیں، لیکن ان معنوں میں نہ فارسی ہے نہ عربی ہے۔ فارسی میں "پدر زن بہ فک اضافت کہتے ہیں۔ عربی جس طرح یہ معنی نقصان، لخت منصرف ہے، شاید سرے کا اسم جامد بھی ہو یا فی الحقیقت سرے کی تفریس وتعریب ہو"۔[50] "خسر لغت فارسی نہیں۔ سسرے کی تفریس سے خسر پیدا ہوا ہو کیا عجب ہے۔ تم سے اس کی تحقیق چاہی تھی کہ یہ لغت عربی الاصل نہ ہو۔ وہ معلوم ہوا کہ عربی نہیں لغت ہندی ہے مفرس، اور یہی میرا عقیدہ ہے۔"[51]

یہ خط بھی علاء الدین خاں علائی کے نام لکھا گیا ہے۔ اس میں لفظ خسر سے متعلق بحث کی گئی ہے۔ غالب کو شک تھا کہ کہیں یہ لفظ عربی الاصل نہ ہو اس وجہ سے انھوں نے علائی سے اس کی تحقیق کی تھی چنانچہ علائی نے اس نے توضیح کی کہ یہ لفظ ہندی (اردو) ہے۔ اس خط سے مزید یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل لفظ "سسرے ہے جو کہ ہندوستانی ہے اور اس سے فارسی میں "خسر بنایا گیا ہے۔ خسرہ سے متعلق غالب کا یہی بیان فرہنگ غالب میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

> "فہائش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جما تھا اور لالہ کنی داس ولد لالہ بھیروں ناتھ کا گھڑا ہوا ہے۔ میری زبان سے کبھی تم نے سنا ہے؟ اب تفصیل سنو، امر کے صیغے کے آگئے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سوختن مصدر سوزد مضارع "سوزامر "سوزش، حاصل بالمصدر اسی طرح ہیں۔ خواہش وکاہش و گزارش، وآرائش وپیرائش و

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

فرمائش۔ فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہے۔ مصدر جعلی ہے۔ فہم لفظ عربی الاصل ہے۔ طلب'' لفظ عربی الاصل ہے۔ ان موافق قاعدہ تفریں فہمیدن وطلبیدن "کر لیا ہے اور اس قاعدے میں یہ کلیہ ہے لغت اصلی عربی آخر کو امر بن جاتا ہے ہم یعنی یہ فہم سمجھ "طلب "یعنی "یہ طلب مانگ فہد مضارع بنا طلبہ مضارع بنا۔ خیر یہ فرض کیجیے کہ جب ہم نے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل بالمصدر کیوں نہ بنائیں؟ سنو، حاصل بالمصدر فہم اور طلبش ہونا چاہیے۔ فہم تھا، صیغہ امر فہد سے نکلا تھا۔ ''الف'' اور لیے "کہاں سے آیا؟ "فہمائی تو نہیں ہے۔ جو "فہمائش، درست ہو۔ کہیں فرمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا۔ وہ مصدر اصلی فارسی'' فرمودن'' ہے۔ فرماید "مضارع فرمائے امر حاصل مصدر "فرمائش[52]

میر مہدی مجروح کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے لفظ "فہمائش سے متعلق گفتگو کی ہے۔ انھوں نے بتایا اس کا استعمال فارسی میں درست نہیں ہے۔ یہ لفظ ہندوستانی کا لیتھوں کا گڑھا ہوا ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بالا بیان من وعن نقل کر دیا ہے اس پر کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔ "پر یہ معنی "لیکن لفظ مشہور ہے اور یہ اس کا مخفف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے، میرے اردو کے دیوان میں سو دو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۔ "[53]

غالب نے یہ خط میاں داد خاں سیاح کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں غالب نے لفظ پر کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اس کے معنی "لیکن "کے ہیں اور اس کا مخفف یہ بھی تحریر کیا ہے کہ میرے اردو دیوان میں یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔

"ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے۔ عین "کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہو اس کو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد معلوم ہونے اس قاعدے کے۔ یہ سمجھو کہ غربال نین نقطہ دار مکسور اور رائے قرشت اور بائے موحدہ اور لام یہ لغت فارسی ہے۔ ہندی اس کی چھلنی اور مرادف اس کی پرویزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غربال "اور "پرویزن'' کہتے ہیں۔ اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نہ جانے۔ رہا فریال' یا میجر یال عین سعفص اور یائے تحتانی سے فصیح غیر فصیح کیا بلکہ غام محض و محض غلط ہے۔ ہاں اگر عربی میں چھلنی کو عریال'' کہتے ہوں تو فارسی میں غربال اور عربی عریال "مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غربال' کا عربی میں کچھ اور اہم ہوگا۔ عریال نہ کہتے ہوں گے۔ "[54]

یہ خط بھی سیاح کے نام لکھا گیا ہے۔ اس خط میں غالب نے سب سے پہلی بات یہ لکھی کہ عین کا حرف فارسی میں نہیں آتا۔ جس لفظ میں یہ حرف آئے تو اسے عربی سمجھنا۔ دوسرے یہ کہ لفظ غربال فارسی لفظ ہے اور اس کے معنی "چھلنی کے ہیں اور اس کا مرادف "پرویزن ہے۔ غالب نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ لفظ عُریال یا عِریال محض غلط ہیں۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اپنی مرتبہ کتاب "فرہنگ غالب "میں لفظ "غربال "سے متعلق غالب کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔ "غربیلہ "کی ہندی نخرہ ہے۔ فارسی میں غربیلہ بولتے ہیں۔[55] سیاح کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب کے لفظ غربیلہ "کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ لفظ فارسی کا ہے اور اس کی اردو نخرہ ہے۔

"یہ شخص مدعی ہے کہ "کدہ "کا لفظ سوائے پانچ چار اسم کے اور اسم کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس "آرزو کدہ اور دیو کدہ "اور "نشتر کدہ اور امثال اس کے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے، وہ نادرست ہے۔ میں اور آپ بیٹھیں اور اس کے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں، اس پر حضرت غور فرمائیں۔ تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی دانی سے کتنا بیگانہ ہے۔[57] وہ کہتا ہے کہ کدہ کے ساتھ سوائے پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب نہ دو۔ "[58] قتیل لکھتا ہے کہ "کدہ کے ماقبل سوائے دو چار اسم کے اور اس کا لانا جائز نہیں۔[59]

مندرجہ بالا خطوط میں غالب نے لفظ کدہ "سے متعلق گفتگو کی ہے۔ انھوں نے یہی مضمون اپنی کتاب قاطع برہان میں بھی تحریر کیا ہے کہ کلکتہ میں مجھے قتیل کے شاگرد نے یہ بتایا کہ استاد فرماتے ہیں کہ کدہ کا لفظ سوائے پانچ چار اسما کے دوسرے اسما کے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ قاطع برہان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"یکے از پرورش آموختگان قتیل نو مسلم در کلکته بمن گفت اوستاددرباره کده و همه که آن مرادف خانه و این ترجمه تمام است از رویاجتهادی که بدانست پیروان خویش دارد جز امی چند که شمار آن از پنجیا شش نگزرد ماقبل کده آوردن و اسم مفرد ما بعد فقط همه بیشتن جائزنمی شمارد پاسخ گزاردم که بیخبران بگفته چون خودی کار برخود تنگ گیرندآگاه دلان را چه افتاده که توقیع ناردارا پز برند حیرت کده ظلمت کده و صفوتکرده و شفق کرده و تزکده دامثال انها در نظم ونثر اہل عجم بسیار است فخر المتاخرین فرمایا شعر:خاموش حزبی کہ نفس سینہ خراشت/نشتر کده گردید جگر مرغ حرم را"
60

مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اپنی مرتبہ کتاب "فرہنگ غالب'' میں اس پر حاشیہ لکھا ہے کہ قتیل کے شاگرد کا مذکورہ بیان (جو انھوں نے غالب سے کیا) خود قتل کے قول

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کے خلاف ہے کیوں کہ نہر الفصاحتہ "میں کدہ" سے متعلق بے شمار الفاظ درج ہیں اور یہ کتاب قتیل کی مرتبہ ہے عرشی صاحب نے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ مرزا صاحب کا قتیل پر اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے۔

مولانا امتاز علی خاں عرشی کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"قتیل کے شاگرد کا یہ بیان خود قتیل کے قول کے خلاف ہے، انھوں نے یہ بھی نہیں کہا کہ کدہ سے پہلے پانچ چھ مخصوص الفاظ کے علاوہ ناجائز ہے، بلکہ نہر الفصاحتہ ۲۵ میں یہ لکھا ہے کہ کدہ بہ معنی خانہ باشد با پنج لفظ ملحق شدہ سوای آن مسموع نیست بت کردہ، و غم کدہ، وآتش کدہ، وی کردہ، گلشن کردہ، و غیر آن چون آب کدہ، نمی دانم کہ درست است یا نادرست یعنی اینها اصول اندوسوای ایس پیچ انچہ در کلام اساتذہ یافتہ باشد فروع این باشد - حصر مقصود نیست و فروع در اصل داخل است، چون حیرت کدہ و سنبل کردہ و ویران کدہ، حسرت کدہ الخ "اس صورت میں مرزا صاحب کا اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہوگا۔"[61]

پروفیسر نذیر احمد نے بھی غالب کے مذکورہ بالا بیان سے اختلاف کیا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک مضمون" غالب کے ایک خط کے چند علمی مسائل، میں تحریر کیا ہے کہ:

"غالب کا قیاس کہ کدہ سینکڑوں ہزاروں لفظوں (بلکہ ہر لفظ کے ساتھ) کے ساتھ آتا ہے درست نہیں۔ کرہ سے بنے ہوئے الفاظ کی تعداد محدود ہوگی، غیر محدود نہیں، اس بنا پر غالب کے نظریے کی پوری تائید نہیں ہوسکتی"۔[62] "کم" کا لفظ اہل فارس کی منطق میں کہیں افادہ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے۔ جیسے "کم آزاد یعنی نیاز ارندہ نہ یہ کہ کم آزارند کم ہمتا یعنی بے ہمتا بلکہ اندک کا لفظ بھی اس طرح آتا ہے جیسا کہ میر اخداوند نعمت نظامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتا ہے۔ شعر: پس وپیش چون آفتایم یکسیت/فرو غم فراواں، فریب اندکیست۔ یعنی فریب بالکل نہیں، نہ یہ کہ کچھ ہے۔ پس کمیاب اور نایاب ایک چیز ہے"۔[63]

چودھری عبدالغفور سرور کے نام لکھے گئے اس خط میں لفظ کم اور اندک" سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے غالب لکھتے ہیں کہ ان کا استعمال کبھی کبھی مکمل نفی کے معنی میں ہوتا ہے۔ اس لیے "کم آزار" کے معنی نہ ستانے والا اور کم ہمتا" کے معنی "بے ہمتا" کے ہیں۔ آخر میں یہ بتایا کہ "کمیاب اور نایاب ایک ہی چیز ہے۔ عرشی صاحب نے فرہنگ غالب میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ "طرح بفتح اول وسکون ثانی بہ معنی قریب ہے اور تصویر کے خاکے کو بھی کہتے ہیں۔ اور یہ معنی آسائش دنیا بھی مجاز ہے۔ مرادف طرز وروش بھی طرح ہے بفتحین۔ اس کا تفرقہ منظور رہا کرئے"۔[64]

غالب نے یہ خط چودھری عبدالغفور سرور کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے لفظ طرح اور طرح سے متعلق گفتگو کی ہے اور ان کے معنی بھی بتائے ہیں کہ اول الذکر کے معنی" فریب اور مجازاً آسائش دنیا بھی مراد ہے۔ اور ثانی الذکر بہ معنی طرز وروش" کے ہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں طرح کے ضمن میں تحریر کیا ہے:

"طرح بسکونِ رائے قرشت، بمعنی فریب ہے لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہے "طرح" یہ حرکت رائے قرشت بروزن فرح۔ اس کو بسکون رائے بولنا عوام کا منطق ہے۔ غزل کی طرح، زمین کی طرح، یہ یہ سکون ہے اور بمعنی روش وطرز طرح ہے حسین۔ طرح بالفتح بمعنی نمونہ اور بمعنی فریب ہیچ۔ لیکن طرح المتحسین اور چیز ہے۔[65] "وار کرے یہ معنی حملہ کرنے کے ہے اور وہ جو آپ کا مقصود ہے ان معنوں میں وار نا اور دوارے آیا ہے۔ نہ وار نا' اور وار کرے۔[66]

یہ خط بھی عبدالغفور سرور کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ غالب کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور نے اپنی کسی تحریر میں وار کرئے کو وار نا اور وارے" کے معنی میں استعمال کیا۔ غالب نے بتایا کہ اس کا استعمال غلط ہے۔ کیوں کہ وارے" کے معنی ہیں نچھاور ہونا اور وار کرنے کے معنی ہوتے ہیں حملہ کرنا۔

" ناظرین" قاطع برہان پر روشن ہوگا کہ نامراد اور بے مراد کا ذکر مبنی اس پر ہے کہ عبدالواسع ہانسوی نے" بے مراد کو صحیح اور نامراد کو غلط لکھا ہے۔ میں لکھتا ہوں کہ یہ ترکیبیں دونوں صحیح لیکن بے مراد غنی کو کہتے ہیں اور نامراد محتاج کو۔ اب آپ کے نزدیک اگر ان دونوں کا محل استعمال ایک ہی ہو تو میرا مدعائے اصلی یعنی نامراد کی ترکیب کا علی الرغم عبدالواسع کے صحیح ہونا فوت نہیں ہوتا۔"[67]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"عبدالواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد صحیح اور نامراد غلط۔ارے تیرا ستیاناس جائے۔بے مراد اور نامراد" میں وہ فرق ہے جو زمین و آسمان میں ہے۔نامراد وہ کہ جس کو کوئی مراد، کوئی خواہش کوئی آرزو برنہ آوے۔بے مراد وہ کہ جس کا صفحہ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو، از قسم "بے مدعا و بے غرض" و "بے مطلب۔ان دونوں امروں میں کتنا فرق ہے۔ناپرو اور ناکام اور نادرست اور ناچار کہ یہ مخفف ناچارہ اور ناہار" کہ یہ مخفف نہ ہار ہے اور نامراد اور ناانصاف یہ سب درست ہیں۔[68]

مذکورہ بالا خطوط میں غالب نے لفظ بے مراد اور نامراد "پر بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دونوں لفظ صحیح ہیں اور اس کے معنی بھی تحریر کیے ہیں کہ بے مراد غنی کے معنی میں ہے اور نامرادہ محتاج کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

> "ایک صاحب آگرے میں اور ایک صاحب لکھنو میں معترض ہوئے کہ گنج در خرابہ باید نہ در خراب"۔ہر چند کہ خرابہ مزید علیہ اور اصل لغت "خراب" عربی الاصل، یہ معنی "ویران و ویرانہ ہے۔جس کی ہندی اجڑ معترض مقرر رہا"۔[69] "ایک گروہ معارض ہوا کہ گنج کو خرابہ "کہو نہ خراب میں متحیر کہ یارب کس سے کہوں خرابہ مزید علیہ "خراب" ہے۔مثل ویران و ویرانہ """موج و موجہا لحاق ہائے ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔"[70]

حضرات کو اس میں کیا تامل ہے۔خرابہ "کی جگہ خراب کو نہیں مانتے۔آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی الاصل "خراب اور خرابہ مزید علیہ۔ویران لغت فارسی اصل اور ویرانہ مزید علیہ موج لغت عربی الاصل اور موجہ مزید علیہ۔مزید علیہ جائز اور ولغت اصلی ناجائز کیوں؟ یہ ایک مصرع قدما میں سے کسی کا ہے مگر پیش مصرعہ مجھے یاد نہیں اور یہ بھی نہیں معلوم کہ کس کا ہے: چوں مہر در کسونم و چون گنج در خرابمیں خود کہتا ہوں کہ اس کو نہ مانو۔اس راہ سے کہ میں قائل کا نام نہیں بتا سکتا۔یہ مطلع مرزا محمد علی صائب علیہ الرحمہ کا اس کے دیوان میں موجود ہے۔شعر: بہ فکر دل نہ فتادی بہ ہیچ باب، دریغ/بہ آن راہ نہ بردی در میں خراب، دریغ۔"گنج و خراب" گنج و خرابہ" گنج ویران گنج و ویرانہ مستعمل اہل ایران ہے۔اس بات میں مسترد ہونا خفض عدم اعتنا ہے۔"[71]

مندرجہ بالا خطوط میں غالب نے لفظ "خراب اور خرابہ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اصل لفظ "خراب ہے۔یہ عربی الاصل ہے۔اہل ایران نے اس کے آخر میں ہائے زائدہ کا اضافہ کر کے خرابہ بنالیا ہے۔ویران سے ویرانہ، موج سے موجہ بھی اسی طرح بنایا گیا ہے۔یہ بحث مکتوب نمبر ااپر بھی گزر چکی ہے۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے غالب کے مذکورہ بالا بیان سے اتفاق کرتے ہوئے فرہنگ غالب میں انھی کا بیان نقل کر دیا ہے۔

> "گیا اور "گیاہ بہ کاف فاری مکسور۔سبز گھانس کو کہتے ہیں۔" گیا بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں ہے ہر گز نہیں ہے۔مولوی روم اور حکیم سنائی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے شعر کس نے دیکھے ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتحہ بنا دیا ہو۔فرہنگ نویسوں کی رائے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے، جو ایسا سمجھے ہیں۔نہ گیا بہ معنی وہ ہے نہ گیانہ معنی مقدم وہ ہے نہ گیا یہ معنی پہلوان ہے نہ "کار گیا کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت"۔[72]

غالب نے یہ خط منشی کیول رام ہشیار کے نام لکھا ہے۔اس میں انھوں نے لفظ" گیا اور گیا کے تلفظ اور معنی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لغت نویسوں سے اختلاف کیا ہے۔اور لکھا ہے کہ گی" مکسور ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ گ "مفتوح کوئی فارسی لغت ہر گز نہیں ہے۔عرشی صاحب نے فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بالا بیان اس ضمن میں نقل کیا ہے۔

> کے بہ کاف عربی مفتوح بروزن سے ایک لغت فارسی ہے۔ذو معنین دیتا ہے ایک تو کب یعنی کس وقت اور دوسرے معنی اس کے ہیں "حاکم "اور "مالک" کے۔الف جو اس کے آگے آتا ہے، وہ کثرت کے معنی دیتا ہے، جیسے خوشا بہت خوش، بدا "بہت بد "کیا بڑا حاکم"۔[73]

ہشیار کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے لفظ کے" کے بارے میں بتایا ہے کہ ایک فارسی کا لفظ ہے "ک "پر زبر ہے اور یہ "مے "کے وزن پر ہے۔آگے یہ بتایا کہ اس کے دو معنی ہیں۔اول کب" اور کس وقت اور دوم حاکم "اور "مالک"۔غالب نے یہ بھی بیان کیا کہ اگر اس کے آگے "الف "کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ کثرت کے معنی دیتا ہے جیسے "یا" بڑا حاکم۔اسی طرح خوشا بہت خوش حوض کوثر کہ مشرب الروحت ناودانے زپار گیں منست اور بدا "بہت بد وغیرہ۔فرہنگ غالب میں مولانا عرشی نے غالب کا یہی بیان نقل کیا ہے۔

> حوض کوثر کہ مشرب الروحت/ناودا نے زپار گیں منست۔"ناوداں یہ
> معنی موری او پار گیں اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے"۔[74]

غالب نے یہ خط محمد زکریا خاں زکی کے نام تحریر کیا ہے۔اس میں انھوں نے لفظ "ناوداں کے معنی تحریر کیے ہیں کہ اس کے معنی موری اور پار گیں" کے ہیں۔اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے۔

> "سیف کو عدو کش" کہو اور کند "کو "عدد بند۔سیف عدو بند نہیں ہو سکتی۔تم کو کہتا ہوں کہ تم" تلوار کو دو بند نہ کہو۔کوئی اور اگر کہے تو اس سے نہ لڑو۔زلف کو شب رنگ اور شب گوں" کہتے ہیں۔شب گیر زلف کی صفت ہر گز نہیں ہو سکتی۔شب گیر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

اس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھے گھڑی رات رہے چل دیں۔ نالۂ شب گیر آو وزاری آخر شب کو کہتے ہیں۔ زلف شب گیر نہ مسموع، نہ معقول"۔ [76]

مرزا غالب کے اس خط میں یوسف علی خاں عزیز کو لکھا ہے۔ پہلے غالب نے یہ بتایا کہ سیف کو عدو کش اور کنڈ "کو "عدو بند "کہتے ہیں۔ مزید یہ بھی تحریر کیا ہے کہ تلوار عدو بند نہیں ہو سکتی۔ دوسرے زلف پر گفتگو کرتے ہوئے غالب لکھتے ہیں کہ زلف کی صفت شب رنگ اور شب گوں "ہے۔ شب گیر "کو زلف کی صفت نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ آخر میں اس کی توجیہ بھی بیان کی ہے۔ پھر زلف شب گیر کے بارے میں مزید یہ بتایا ہے کہ یہ لفظ نہ سنا گیا اور نہ مناسب ہے۔

"خزادہ "خداوند زادہ کا مخفف ہے لیکن فارسی نہیں۔ عربی نہیں۔ اردو کا روزمرہ تھا۔ خزادہ" اور" خزادی' مرادف صاحبزادہ اور صاحبزادی ہے۔ مگر فی زمانا متروک ہے۔ فق "فارسی لغت نہیں ہو سکتا عربی بھی نہیں۔ روزمرہ اردو ہے جیسا کہ میر حسن کہتا ہے: کہ رستم جسے دیکھ رہ جائے فق "[76]

یوسف علی خاں عزیز کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب لفظ "خزادہ سے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ لفظ نہ فارسی ہے اور نہ ہی عربی یہ اردو کا روزمرہ تھا۔ اور خداوند زادہ کا مخفف ہے۔ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خزادہ اور خزادی، صاحبزادہ اور صاحبزادی کا مرادہے لیکن اب متروک ہو چکا ہے۔ دوسرے لفظ "فق کے بارے میں غالب لکھتے ہیں کہ یہ لفظ بھی عربی و فاری کا نہیں ہے بلکہ روزمرہ اردو ہے اور سند کے طور پر میر حسن کا مذکورہ مصر نقل کیا ہے۔

"تم "لفظ عربی الاصل ہے، فارسی اردو میں مستعمل۔ دونوں زبانوں میں ہم یہ معنی بالش اور ہم معنی" مکان فقیر آتا ہے۔ ایران میں تکیہ مرزا صاحب مشہور ہے۔ گل تکیہ لفظ مرکب ہے۔ ہندی اور فارسی سے گل مخفف گال کا اور تکیہ یہ معنی بالش وہ چھوٹا گول تکیہ جو رخسار کے تلے رکھیں "گل تکیہ کہلاتا ہے۔ گل بہ معنی پھانسی، انگریزی لغت ہے۔ انگریزی زبان نے بنگالہ میں سو برس سے اور دلی اکبر آباد میں ساٹھ برس سے رواج پایا ہے۔ گل تکیہ وضع کیا ہوا نور جہاں بیگم کا ہے۔ جہاں گیر کے عہد میں اہل ہند کیا جانتے تھے کہ "گل "کیا چیز ہے۔ معنی مفرد بہ تلفظ جمع اس جملے کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ معنی مفرو، معانی جمع اور یہ جو اردو کے محاورے میں تقریر کرتے ہیں کہ اس شعر کے معنی کیا ہیں یا اس شعر کے معنی کیا خوب ہیں۔ اس میں دخل نہیں کیا جاتا۔ خاص وعام کی زبان پر یوں ہی ہے۔ معانی "کی جگہ معنی "بولتے ہیں۔ رت "لفظ ہندی الاصل رتھ ہے۔ یہ ہائے مضمرہ [77] "

یہ خط بھی یوسف علی خاں عزیز کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے لفظ "تکیہ "سے بحث کی ہے کہ یہ لفظ عربی الاصل ہے۔ لیکن فارسی وار دو میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر گل تکیہ کے بارے میں بتایا کہ یہ مرکب ہے اور ہندی و فارسی دونوں میں گل گال کا مخفف ہے۔ اور بالش" کے معنی میں آتا ہے یعنی وہ چھوٹا تکیہ جو رخسار کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ "گل "کے دوسرے معنی تحریر کرتے ہوئے غالب نے یہ بھی لکھا کہ گل بہ معنی "پھانسی کے بھی ہیں اور یہ انگریزی لغت ہے۔ گل تکیہ کے وجود کے بارے میں غالب نے یہ لکھا کہ نور جہاں بیگم کا وضع کیا ہوا ہے۔ دوسری طرف غالب نے لفظ معنی کی وضاحت کی ہے کہ یہ ہے تو مفر "لیکن جمع کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ انھوں نے لکھا کہ "معانی کی جگہ معنی بولتے ہیں۔ آخر میں 'رت لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ اصل لفظ رتھ" ہے اور خالص ہندی کا ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرضی نے فرہنگ غالب میں تکیہ سے متعلق غالب کا مذکورہ بالا بیان ہو بہو نقل کر دیا ہے۔

"لسان فارسی میں سرشار، صفت ہے پیالے کی معنی لفظی اس کے لبریز۔ پس شارب کو لبریز کیوں کر کہیں گے؟ اور یہ جو اردو مست و سرشار مترادف المعنی استعمال میں آتے ہیں امر جداگانہ ہے۔ فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز۔ [78]"

غالب نے یہ خط مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام تحریر کیا ہے۔ اس میں انھوں نے لفظ "سرشار سے متعلق گفتگو کی ہے کہ یہ فارسی میں لبریز" کے معنی میں آتا ہے۔ لہذا فارسی جام سرشار کی ترکیب تو درست ہو گی لیکن رند سرشار کی ترکیب درست نہ ہو گی۔ البتہ اردو میں سرشار "مست "کا مرادف ہے۔ لیکن فارسی میں اردو روزمرہ کی پیروی درست نہیں ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔

"اسماء یا لغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار ہندی کا فارسی اور فارسی کا ہندی کبھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً چوری کا گڑ میٹھا اس کی فارسی نہ پوچھے گا، مگر نادان۔ سہی "اور "تو سہی "کی فارسی کیوں کر بنے؟ یہ روزمرہ اردو ہے "۔ [79]

غالب نے یہ خط قدر بلگرامی کے نام تحریر کیا ہے۔ انھوں نے اس خط میں ایک بہت اہم نکتے کی بات بتائی ہے کہ کسی زبان کے مفرد یا مرکب اسما بالغت کا دوسری زبانوں میں مرادف ڈھونڈا جا سکتا ہے، لیکن طرز گفتار یعنی بات کہنے کا طریقہ اردو کا فارسی اور فارسی کا اردو بھی نہیں ہو سکتا۔ غالب نے مثال میں ایک جملہ پیش کیا کہ چوری کا گڑ میٹھا اس کی فارسی نہیں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

بن سکتی کیوں کہ یہ روزمرہ ہے۔اسی طرح لفظ سہی اور تو سہی سے متعلق یہ بتایا کہ اس کی فارسی کیوں بنے یہ تو روزمرہ اردو ہے۔در توبہ باز است وباب رحمت فراز معنی اس کے یہ کہ توبہ کا در کھلا ہے اور دروازہ رحمت کا بند فراز اضداد میں سے نہیں ہے۔ باز کھلا۔ فراز بند۔"[80]

قدر بلگرامی کے نام تحریر کیے گئے مذکورہ خط میں غالب نے لفظ "فراز" اور "باز" کے معنی بتائے ہیں کہ باز بہ معنی کھلا اور فراز بہ معنی بند کے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ "فراز" اضداد میں سے نہیں ہے۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اس ضمن میں اپنی مرتب کتاب ''فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بیان نقل کیا ہے۔

"آبستن اور آیت کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ '' آبست کو بہ جائے "آبستن" جائز سمجھتا ہے۔ "آبست" کوئی لفظ نہیں۔ آبستن اصل لفظ اور آبستنی مزید علیہ۔ یہ دونوں صحیح بلکہ "آبستنی زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں؟ فیضی کی سند مقبول اور مسموع "ارمغان "اور ارمغانی "آبستن'' اور '' آبستنی اے یہ تو فارسی لغت ہیں۔ فارسی گویوں نے حضور کو حضوری اور فضول "کو فضولی اور نقصان کو نقصانی'' لکھا ہے۔"[81]

مذکورہ خط بھی قدر بلگرامی کے نام لکھا گیا ہے۔ اس خط میں غالب نے لفظ'' آبستن اور آبستنی سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ دونوں لفظ صحیح ہیں۔ بلکہ '' آبستنی زیادہ فصیح ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ '' آبستن اصل لفظ ہے اور اس میں یائے زائدہ کا اضافہ کر کے '' آبستنی'' بنالیا گیا ہے۔ اور فیضی کے یہاں اس کی مثال ملتی ہے اور اس کی سند مقبول ہے۔ غالب نے مذکورہ لفظ سے متعلق دیگر مثالیں بھی تحریر کی ہیں۔ مثلاً "ارمغان "اور "ارمغانی""حضور "اور "حضوری، اور فضول "اور فضولی "نقصان "اور "نقصانی وغیرہ بھی فارسی گویوں کے یہاں ملتے ہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں لفظ "آبستنی کے ضمن میں تحریر کیا ہے: "بستنی بااضافہ یای تحتانی بمعنی زن حاملہ میںگفتی نماند کہ آبستن مصدر نیست کہ آبست ماضی دابستہ مفعول آن تواند بود، بلکہ اسمیت جامد نفتی است غیر متصرف'' ۔[82]

اس کے بعد غالب کا بیان نقل کر دیا ہے۔ "تئیں کا لفظ متروک اور مردود، قبیح، غیر فصیح۔ یہ پنجاب کی بولی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اصیل ہماری ہاں نوکر رہی تھی، وہ تیں بولتی تھی تو بیبیاں اور لونڈیاں سب اس پر ہنستی تھیں۔[83]

قدر بلگرامی کے نام لکھے گئے اس خط میں غالب نے لفظ تئیں سے متعلق گفتگو کی ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض الفاظ کسی زمانے میں قبیح اور غیر فصیح بھی ہوا کرتے ہیں لیکن کچھ زمانہ گزرنے کے بعد اسے متروک قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ غالب کے یہاں یہ تصور پایا جاتا ہے۔ لفظ "تئیں" سے متعلق صاحب فرہنگ آصفیہ کا ایک نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ لفظ اپنے کے ساتھ مستعمل ہے۔ جیسے اپنے تئیں کچھ غرض نہیں۔ پہلے غیر کے ساتھ بھی بولتے تھے جیسے تیرے تئیں، اس کے تئیں وغیرہ۔ اس لفظ پر ایک مرتبہ ایک لکھنوی صاحب زبان اور حضرت غالب کے درمیان ایک عجیب لطیفہ سرزد ہوا۔ دہلی میں اپنے تئیں "آپ کو" کے بجائے بہت بولا جاتا تھا۔ لیکن لغت تراشان لکھنو نے اسے بالکل ترک کر دیا تھا۔ اور اس کے بجائے لفظ'' آپ کو" کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت غالب سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک لفظ اپنے تئیں بہتر ہے یا آپ کو۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں تو آپ کو حقیر و ذلیل، نالائق، نابلد سمجھتا ہوں، کسی اور سے بھی مشورہ لیجیے کہ ایسے موقع پر اپنے تئیں خوشنما ہے یا لفظ "آپ کو۔ میرے نزدیک اپنے آپ کو کہنے سے ستم نکل جاتا ہے"[84]

ہمارے دور کے مشہور محقق جناب رشید حسن خاں نے اس کے متعلق دریافت کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ یہ لطیفہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے خود تراشا ہے کیوں کہ غالب نے اپنے خط میں اس لفظ کو متروک، مردود، قبیح اور غیر فصیح لکھ چکے ہیں۔ رشید حسن خاں کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو انھوں نے اپنی مرتبہ کتاب باغ و بہار میں تحریر کی ہے: "یہ لطیفہ صاحب فرہنگ آصفیہ نے (غالبا) خود تراشا ہے لیکن ان مرحوم کو معلوم نہیں تھا کہ تئیں کو مرزا غالب اپنے ایک خط میں قبیح اور غیر فصیح لکھ چکے ہیں''۔[85]

"اب جہاں تک لفظ تئیں" کے پنجابی ہونے کا تعلق ہے اور یہ کہ غالب کے زمانے میں اس کے استعمال پر لونڈیاں ہنستی تھیں تو ان دونوں باتوں سے قاضی عبدالودود نے اختلاف کیا ہے۔ وہ اپنے طویل مقالے'' غالب بہ حیثیت محقق "میں لکھتے ہیں:

"پہلے میرا خیال تھا کہ تئیں "کتابت کی غلطی ہے۔ لیکن جب مکاتیب کی اشاعت ۲ صفحہ ۹۹ میں ان کی یہ ہدایت دیکھی کی تئیں نہ لکھا کرو۔ تو یقین آیا کہ عبارت زیر بحث میں تئیں ہی ہے۔ تئیں پنجاب کی خاص بولی نہیں۔ کلیات ولی مرتبہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی ص: ۲۳ میں موجود ہے اور شعرا دہلی میں آبرو سے لے کر رنگین "(متوفی ۱۲۵۱ھ) تک کے یہاں ملتا ہے۔ مصرع رنگین ہر ملاقات میں کہہ کب تئیں میں تجھ سے لڑوں" مجموعہ نغز اص: ۲۸۲۔ خود غالب اور ذوق اور غالباً مومن کے یہاں یہ لفظ نہیں آیا اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان شعرا کے متروکات میں تھا۔ لیکن تاریخی حیثیت سے یہ بالکل غلط ہے کہ غالب کے لڑکپن میں اس

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

کے استعمال پر لونڈیاں تک ہنستی تھیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ آزاد، حالی اور سر سید احمد خاں وغیرہ بے تکلف اسے برتے تھے۔"
86

مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں غالب کا ہی بیان نقل کر دیا ہے۔ 'رنگ، بروزن "سنگ" ترجمہ "لون" اور لفظ فارسی الاصل ہے۔ جب اس کو اردو میں منصرف یا بہ قول بعضے متصرف کریں گے تو نون کا تلفظ موہوم سارہ جائے گا۔ رنگنا بہ وزن چندجانہ کہیں گے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرعہ میں: ہم نے کپڑے رنگے ہیں کپڑے شنگرفی، یہ اعلان نون، گنواری بولی اور غیر سی اور قبیح ہے۔"[87]

غالب نے یہ خط بھی قدر بلگرامی کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے لفظ رنگ بہ وزن سنگ سے متعلق گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ لفظ فارسی الاصل ہے اور اس کا ترجمہ "لون" ہے۔ لفظ رنگ سے اردو والوں نے مصدر بنایا یعنی رنگنا اور اس سے مشتقات پیدا کیے۔ غالب لکھتے ہیں کہ اس مصدر اور اس کے مشتقات میں نون کا اعلان گنواری بولی ہے اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔ 'نون' کا اخفا ہونا چاہیے یعنی ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرفی اور فصیح ہے۔ اور ہم نے رکھتے ہیں کپڑے شنگرفی یہ غیر صحیح اور قبیح ہے۔

مولانا عرشی نے فرہنگ غالب میں غالب کا ہی بیان نقل کیا ہے۔ "ہر چند، سحر اور صبح مرادف با معنی ہیں اور وہ انجام لیل اور آغاز نہار ہے مگر بہ خلاف صبح "سحر" بہ طریق مجاز بعد نصف شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ بعام آخر شب کو سحری اور سحر گہی کہتے ہیں۔ اور مرغان خوش آواز، کہ بلبل بھی ان میں ہے اکثر پہر سوا پہر رات سے بولتے ہیں۔ نصف شب کو مرغ سحر خواں کا ہم آواز ہونا محل اعتراض نہیں ہے"۔[88]

غالب نے یہ خط خلیفہ احمد علی رام پوری کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں انھوں نے ''سحر اور صبح کے فرق کو واضح کیا ہے کہ "سحر" رات کے ختم کو کہتے ہیں۔ اور صبح دن کے شروع ہونے کو کہتے ہیں۔ لفظ "سحر" کی مزید توضیح کرتے ہوئے غالب لکھتے ہیں کہ لفظ "سحر" مجازاً آدھی رات سے صبح تک استعمال ہوتا ہے اور آخر شب کے کھانے کو سحری "یا" سحر گہی" کہتے ہیں۔

"گوش کا استعمال انداختن کے ساتھ اگر شعرائے ہند کے کلام میں آیا ہوتا تو ہم اس کی سند اہل زبان کے کلام سے ڈھونڈھتے۔
جب خود عرفی نے لکھا ہے تو ہم سند اور کہاں سے لائیں"[89]

یہ خط بھی خلیفہ احمد علی رام پوری کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ اس میں غالب نے گوش'' کا استعمال انداختن" کے ساتھ جائز ٹھہرایا ہے کیوں کہ اس کی سند خود عرفی کے یہاں ملتی ہے۔ فرہنگ غالب میں مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے غالب کا یہی بیان نقل کیا ہے۔

"پریستان" اصل لغت مخفف اس کا بہ حذف تختانی "پرستان" "پری استھان" تو ہم محض۔ مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم الشعرا
رود کی سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں تک کسی کے کلام میں پریستان یا پرستان دیکھا نہیں۔"[90]

غالب نے یہ خط فرزند احمد صفیر بلگرامی کے نام تحریر کیا ہے اس خط میں انھوں نے لفظ پریستان سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اصل لغت ہے اور اس کا مخفف پرستان یعنی یائے'' کے حذف کے ساتھ۔ اور "پری استھان" کوئی لفظ نہیں ہے۔ یہ محض ایک وہم ہے۔ غالب نے ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ رود کی سے لے کر حزیں تک کے کلام میں "پریستان یا'' پرستان" لفظ نہیں آیا ہے۔ غالباً اس کا استعمال فارسی میں نہیں ہوتا ہے۔ "جا بہ جا لاچار لکھا ہے اور لاچار غلط ہے۔ کس لیے کہ چار لفظ فارسی ہے اور جیم فارسی اس کی دلیل ہے۔ اگرچہ "لا" عربی کا حرف نفی ہے مگر فارسی کا حرف نفی ہوتے کہ حرف نا ہے۔ ''لا'' کا لگانا کاتب کی جہالت ہے''۔[91]

مرزا غالب نے یہ خط بھی صفیر بلگرامی کے نام لکھا ہے۔ اس خط میں غالب نے لاچار اور ناچار سے متعلق بحث کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ چار تو فارسی لفظ ہے لیکن لا' عربی کا حرف نفی ہے فارسی کا حرف نفی نا' ہے اس وجہ سے لاچار غلط ہے اور ناچار صحیح ہے۔

مکاتیبِ غالب کی روشنی میں مرکبات کی نشاندہی سے پہلے اس کی مختصر تعریف کو سمجھنا مناسب خیال کیا جاتا ہے۔ "مرکبات، مرکب کی جمع ہے، دو یا دو سے زیادہ کلمات کے مجموعے کو مرکب کہا جاتا ہے۔ ""شست بستن" جب ظہوری کے ہاں ہے تو باندھیے۔ یہ روز مرہ ہے اور ہم روز مرے میں ان کے پیرو ہیں۔"[92]

غالب نے یہ خط تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ تفتہ نے ان سے ''شست بستن کی ترکیب سے متعلق استفسار کیا ہے کہ یہ ترکیب صحیح ہے؟ غالب اس کے جواب میں ظہوری کو سند کے طور پر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روز مرہ ہے اور ہم روز مرے میں ان کے پیرو ہیں۔ اس خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غالب ظہور کی کو مستند مانتے تھے۔

"دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو۔ وہی بیش و بیشتر کا قصہ نکلا۔ غلطی میں جمہور کی پیروی کیا فرض ہے"93
"دیکھو صاحب، خط میں تم پھر وہی بیش و بیشتر'' کا قصہ لائے ہو۔ چہ جرم'' وہ چہ سبب' وچہ گناہ پر جو
عشق است و صد ہزار تمنا، مرا چہ جرم اس کی کیا حاجت ہے؟'' جاناں مددے "یاراں مددے"، یہ تمام غزل اسی طرح کی ہے۔
اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا"[94]

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

مذکورہ بالا خطوط تفتہ کے نام تحریر کیے گئے ہیں۔غالب نے ان میں بیش و بیشتر سے متعلق گفتگو کی ہے۔ان کے نزدیک یہ ترکیب صحیح نہیں ہے۔انھوں نے تفتہ کو اس کے استعمال سے منع کیا ہے۔ان خطوط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلطی میں جمہور کی پیروی نہیں کرنا چاہیے۔غالب کے نزدیک چہ جرم، چہ سبب، چہ گناہ اور جاناں مددے، یاراں مددے، جیسی ترکیبیں درست ہیں۔

"بیش از بیش و کم از کم یہ ترکیب بہت فصیح ہے اس کو کون منع کرتا ہے اور جلال اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ در زمان من مہر بیش از پیش شد و در زمان تو وفا کم از کم شد استاد کیا کہے گا؟ اس میں تو تین ٹکڑے کا لف و نشر ہے۔ "من اور تو مہر اور وفا بیش از پیش اور کم از کم اگرچہ بہ حسب معنی جائز ہے لیکن فصاحت اس میں کم ہے۔"[95]

یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا گیا ہے۔اس خط میں "بیش از بیش و کم از کم کی ترکیب سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے غالب نے لکھا ہے کہ یہ ترکیب بہت فصیح ہے۔اور جلال امیر کی ایک بیت کے معنی بھی تحریر کیے ہیں۔غالب نے بیشتر از بیش اور کمتر از کم "کی ترکیب کو بھی معنی کے لحاظ سے جائز بھسرایا ہے۔لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں فصاحت کم ہے۔بیش از بیش و کم از کم ہی افصح ہے۔

☆"نظر شگفت و گوش شگفتن" ہم نہیں جانتے۔اگرچہ منشی ہر گوپال تفتہ اور مولانا نور الدین ظہوری نے لکھا ہو: نظارہ راز خون دلم گل در آستین/خونش مگو، بگو کہ ز چشم چین چکیدی نہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکیدن، شگفتن گوش و نظر کی مانند غرابت رکھتا ہے۔یہ خونفشانی چشم "کا استعارہ ہے۔اور خونفشانی صفت چشم ہو سکتی ہے۔اگر "نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اس کا استعارہ بہ شگفتگی کر لیتے۔خوش ہونا "جب صفت چشم و گوش نہ ہو تو ہم کیا کریں"۔[96]

غالب نے یہ خط بھی تفتہ کے نام تحریر کیا ہے۔یہاں غالب نے "نظر شگفتن "اور "گوش شگفتن کی ترکیب کو نامناسب ٹھہرایا ہے۔اور لکھا ہے کہ نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جیسی ترکیبیں درست نہیں ہیں۔خوش ہونا، نظر اور کان کی صفت نہیں ہے۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے اپنی مرتبہ کتاب "فرہنگ غالب میں غالب کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔"'چشمان پر کمار "و" چشمان بے حیا ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ان سب اشعار میں نہ عیب نہ لطف"[97]

یہ خط بھی تفتہ کے نام لکھا گیا ہے۔اس میں غالب نے" چشمان پر خمار " اور " چشمان بے حیا دونوں ترکیبوں کو درست ٹھہرایا ہے۔ اور تفتہ کو اجازت دی ہے کہ ان میں سے ایک لکھ لو ۔ اس خط سے ضمناً یہ بھی معلوم ہوا کہ غالب کے نزدیک شاعری کی ایک قسم وہ بھی ہے جس میں نہ عیب ہے اور نہ لطف ہے۔ اس کے علاوہ شاعری کی ایک قسم وہ ہے جس میں لطافت ہو اور عیب سے خالی ہو۔ اور ایک قسم وہ بھی ہے جس میں لطف نہ ہوا اور عیب سے پُر ہو۔

"صاحب ! وہ جو میں نے بائیس شعر مرثیے کے لکھ کر تم کو بھیجے، اس سے مقصود یہ تھا کہ تم اپنے اشعار دوسرے ماتم زدہ کو دے دو کس واسطے کہ تمہاری تحریر سے معلوم ہوا کہ کوئی اور بھی فلک زدہ ہے اور یہ جو تم لکھتے ہو کہ کچھ اوپر اسی شعر میں سے ایک شعر بھی تو نے نہ لیا، اس کا حال یہ ہے کہ وہ شعر سب دست و گریباں تھے۔ ایک کو ایک سے ربط ، ایک یا دو شعر اس میں سے کیوں کر لیے جاتے "[98]

غالب نے یہ خط مرزا ہر گوپال تفتہ کے نام تحریر کیا ہے، اس خط میں غالب نے دست و گریباں "کی ترکیب استعمال کی ہے۔ ان کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شعر دوسرے شعر سے اس طرح مربوط ہو کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہ کیا جاسکے۔"جواں مرد جواں بخت جواں دولت جواں عمر " جواں سال جواں خرد جواں مرگ یہ الفاظ مقررہ اہل زبان ہیں، کبھی مقلوب و معکوس نہیں آتے"[99]غالب نے یہ خط میر مہدی مجروح کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں انھوں نے جواں مرد، جواں بخت جواں، دولت، جواں عمر، جواں سال جواں خرد، جواں مرگ جیسی ترکیبوں کو درست ٹھہرایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ الفاظ اہل زبان کے مقرر کیے ہوئے ہیں اور اس کی ترکیب بدلی نہیں جاسکتی ہے یعنی اس کو پلٹ کر نہیں پڑھا جاسکتا ہے۔

مولانا امتیاز علی عرشی نے "فرہنگ غالب میں غالب کا یہی بیان نقل کیا ہے۔"دیواں گری شبت تو/کامروز مسلم است ما را/بیگانہ زتاج کرد تارک/آوارہ ز کفش کرد پارا جیسا کہ دوسرے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں، ایسا ہی اگر کوئی کہے کہ منصب دیوانی سے یہ بات بعید ہے تو پھر شارح کیا جواب دے گا؟ ہاں یہ کہے گا کہ غلبہ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحب کچہری سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ہم نے مانا مگر ہم یہ پوچھتے ہیں کہ دیوانگی کیوں نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی بے تکلف منطبق ہو جائیں اور توجیہات درمیان نہ آئیں۔ فقیر کے نزدیک دیوانگی محبت تو

صحیح اور بے تکلف ہے اور دیوانگی و محبت تو غلط محض اور دیوانگری محبت تو تکلف محض ۔ دیوانگی اور محبت دو صفتیں کیوں جمع کریں۔ غور کیجیے، عطف کی داد یہ چاہتی ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھااور پھراسی حالت میں اس کو محبت پیدا ہوئی۔ دیوانگی میں تاج و کفش بے جاتھے۔ محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔ کیا بے مزہ توجیہ ہے۔ ہاں دیوانگی محبت یعنی جنون جو فرط محبت میں بہم پہنچا،اس نے اس احوال کو پہنچایا۔ فقیر دیوانگی محبت کہے گااور دیوانگی و محبت "کہنے کو منع کرے گااور دیوانگری محبت "کہنے کو نہ مانع آئے گانہ تسلیم کرے گا۔"[100]

غالب نے یہ خط چودھری عبدالغفور سرور کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور نے اپنے ایک قطعہ میں دیواں گری'' لکھا۔ غالب کو یہ ترکیب پسند نہیں آئی۔اس کے جواب میں غالب نے لکھاکہ "دیوانگی" مناسب ہے اوراس کی کوئی توجہ نہیں کرنی پڑے گی۔اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے نزدیک دیوانگی محبت صحیح ہے اور دیوانگی محبت غلط ترکیب ہے۔اور دیوانگری محبت ناپسندیدہ ہے۔اس کے علاوہ غالب نے اس خط میں دیوانگی محبت اور دیوانگی محبت کی وضاحت بھی کی ہے۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں دیوانگی محبت کے وہی معنی لکھتے ہیں جو غالب نے تحریر کیے ہیں بقیہ گفتگو فرہنگ غالب "میں نہیں ہے۔ایک اعتراض یہ تھا کہ ''ہمہ عالم " غلط ہے۔ یعنی ہمہ "کا لفظ "عالم" کے لفظ کے ساتھ ربط نہیں پاسکتا۔ قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے: ہمہ عالم گواہ عصمت اوست. سعدی کہتا ہے :."عاشقم بر ہمہ عالم کہ عالم از اوست " [101]

"پھر فرماتا ہے کہ "ہمہ" کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ مفرد سے نہ ملاؤ نقل: میں نے دستنبو میں لکھا ہے کہ ہمہ کس داند ایک شخص نے کہ وہ بھی مولوی کہلاتا ہے۔میری غیبت میں کہا کہ ہمہ کسی داند "کیا ترکیب ہے ؟ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا۔اس نے کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے۔جیسا کہ وہ کہتا ہے۔شعر: ہمہ کسی طالب آن سر وروان است این جا/آب حیواں نفس سوختگانست ایں جا[102] "میرا شعر:"جزوے از عالم واز ہمہ عالم بیشم/ہچو موے کہ بتاں راز میاں برخیز دخستہ جراحت ہائے اعتراض ہوا ہے۔منشالے اعتراض یہ کہ عالم مفرد ہے۔اس کا ربط "ہمہ" کے ساتھ یہ حسب اجتہاد قتیل ممنوع ہے۔قضارا اس زمانے میں شاہزادہ کامران ہمہ درانی کا سفیر گورمنٹ میں آیا تھا۔ کفایت خاں اس کا نام تھا۔ اس تک یہ قصہ پہنچا۔ اس نے اساتذہ کے اشعار پان سات ایسے پڑھے جن میں ہمہ عالم " و " ہمہ روز"، و"ہمہ جامر قوم تھا۔" :[103]

مذکورہ بالا خطوط میں ہمہ عالم "کی ترکیب آئی ہے۔ اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ ہمہ مفرد کے ساتھ نہیں آتا۔ اس کا مابعد جمع ہونا چاہیے، لیکن غالب نے بتایا کہ' ہمہ عالم ہمہ روز " و" ہمہ جا جیسی ترکیبیں جائز اور درست ہیں۔ اساتذ ہ فارسی کے یہاں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں ۔ لہذا معترضین کا اعتراض غلط ہے۔

دور حاضر کے مشہور محقق پروفیسر نذیر احمد اپنے ایک مضمون' غالب کے ایک خط کے چند علمی مسائل، میں مذکورہ بالا لفظ ہمہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں :غالب نے دعوی کیا ہے کہ ہمہ کے ساتھ اسم کو واحد لا نا ہر گز خلاف قاعدہ نہیں ہے۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ اسم کو جمع لانے کا اصرار کرتے ہیں ۔ ان کا دعویٰ غلط ہے ... غالب کا دعویٰ صحیح ہے ان کی تائید میں دیوان حافظ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :چہ غم بود بہ ہمہ حال کوہ ثابت را/عہد الست من ہمہ با عشق شاہ بود/کا بواب سعادت ہمہ مفتوح شود/عالم ہمہ سر بسر خراب است بیاب

لیکن حقیقت یہ بھی ہے کہ ہمہ کے ساتھ اسم جمع بھی آتا ہے، ملاحظہ ہو :ہمہ آفاق گرفت و ہمہ اطراف گشاد.آفاق اور اطراف دونوں جمع ہیں.ہمہ بسیط ز میں روز نہاد بہ ویرانی.ھمہ گرافت و لطف است شرع یزدانی.بر باد نھادہ ای بنای ہمہ عمر.شادی ہمہ لطیفہ گویان صلوات.دلہا ہمہ درچاہ زنخدان انداخت"[104]

"لب بام""لب فرش،"لب گور،"لب چاؤ"،"لب دریا،"لب ساحل"بہ معنی کنارے کے ہے۔ مستعمل اہل ایران—" لب بام' "اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ایک قدم آگے بڑھائے تو دھم سے انگنائی میں آئے۔ پس لب دریا' اسے مجھے، جہاں سے قدم بڑھائے تو پانی میں جائے۔ لب ساحل' وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھیے تو دریا میں گریے۔ لب دریا سے پاؤں پانی پر رکھا جاتا ہے۔ جیسا نہانے کے واسطے اور لب ساحل سے دریا میں کودتے ہیں۔ جس طرح سلطان جی کی باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں۔اسی طرح تیراک، جہاں دریا کا پانی نشیب میں ہوتا ہے وہاں گڑاڑی کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔ کڑاڑ'' ساحل اور کڑاڑے کا کنارا لب ساحل۔"[105]

غالب نے یہ خط مشی ہیرا سنگھ کے نام لکھا ہے۔اس خط میں انھوں نے لب بام لب فرش، لب گور، لب چاؤ، لب دریا لب ساحل "جیسی ترکیبوں سے متعلق گفتگو کی ہے کہ یہ ترکیبیں اہل ایران کے یہاں مستعمل ہیں۔ پھر لب بام اور لب ساحل کی معنوی توضیح کی ہے کہ لب بام اس مقام کو کہتے ہیں جہاں ایک قدم آگے بڑھائے تو دھم سے انگنائی میں آئے۔ اور لب دریا جہاں سے قدم بڑھائے تو پانی میں جائے اور لب ساحل وہ ہوا جہاں سے آگے بڑھیے تو دریا میں گریے۔ فرہنگ غالب میں عرشی صاحب نے غالب کا یہی بیان نقل کیا

حرفِ سخن
HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ہے۔"سیلاب چی' ایک لفظ ہے ہندیان فارسی داں کا۔اصل لغت' چلپچی اور یہ لغت ترکی ہے۔مہذا احباب آسماں جب تک کہ آسماں کو بحریا دریا نہ کہیں "حباب آسماں" نہ مقبول نہ مسموع"[106] یہ خط مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام لکھا گیا ہے اس خط میں غالب نے لفظ سیلاب چی" کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ ہندوستانی فارسی دانوں کا وضع کیا ہوا لغت ہے۔اہل زبان ''چلپچی'' کہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ''حباب آسمان بر دریا کے مناسبات کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے تنہا نہیں۔مولانا امتیاز علی عرشی نے غالب کا مذکورہ بالا بیان فرہنگ غالب میں نقل کیا ہے۔

"پہلے التماس یہ ہے کہ "آپ سید صحیح النسب تمام امت مرحومہ محمد علیہ السلام کے قبلہ و کعبہ،جب آپ مجھ کو قبلہ و کعبہ لکھیں تو پھر میں آپ کو کیا لکھوں؟خدا کے واسطے غور کیجیے کہ قبلہ قبلہ "اور "کعبہ کعبہ "یہ کیا ترکیب ہے؟چوں کہ آپ نے مجھے استاد گردانا ہے۔اس التماس کو بھی از قسم اصلاح تصور کیجیے۔زنہار قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھئے گا۔ادب ہے یہ نسبت قبلہ "[107]

غالب نے یہ خط سید احمد حسن مودودی کے نام تحریر کیا ہے اس خط میں انھوں نے قبلہ ء قبلہ اور کعبہ ء کعبہ کی ترکیب سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ترکیبیں درست نہیں ہیں۔کیوں کہ قبلہ کی نسبت سے یہ ادب کے خلاف ہے۔غالب نے سید احمد حسن مودودی کو متنبہ کیا ہے کہ قبلہ قبلہ کبھی نہ لکھیں۔

"آب حرام اشتیاق'' ،'' آب حرام شراب کو محل مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ نبیذ "اور "بادہ اور رحیق اور ہے اور قرقف اور راوق'' کی طرح اسم نہیں،ناچار شراب شوق یا بادہ شوق لکھنا چاہیے۔اشتیاق'' سے ''شوق'' بہتر ہے''۔[108]

غالب نے یہ خط غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں انھوں نے "آب حرام اشتیاق آب حرام اور شراب کے بارے میں بتایا ہے کہ اس کا استعمال مناسب موقع پر کنایتاً کیا جاسکتا ہے۔کیوں کہ یہ نبید، بادہ رحیق "مے "قرقف اور راوق "کی طرح اسم نہیں ہے۔مزید یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اشتیاق "کی جگہ شوق مناسب ہے۔اس لیے شراب شوق' یا بادہ شوق'' لکھنا چاہیے۔

ذیل میں مندرجہ بالا الفاظ کے معنی لغات کشوری سے تحریر کیے جاتے ہیں: "آج تک نہیں سنا کہ رب کبریا کسی نے لکھا ہو۔ہاں'' کبریائے الٰہی "یعنی خدا کی بزرگی۔اس نظر پر "رب کبیر "لکھیں گے۔نہ ارب کبریا کبریا صفت واقعی ہے۔لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے جیسا کہ زید عدل' بجائے زید عادل "جناب کبریا "بجائے "جناب الٰہی جائز۔"[110]

یہ خط بھی قدر بلگرامی کے نام تحریر کیا گیا ہے۔اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر نے رب کبریا، رب کبیر "کے معنی میں استعمال کیا تھا۔غالب نے اس کے جواب میں لکھا کہ یہ غلط ہے۔ہاں کبریائے الٰہی یعنی خدا کی بزرگی صحیح ہے۔لیکن قدر کا مقصد "کبریائے الٰہی سے نہیں پورا ہو رہا ہے۔اس لیے غالب نے انھیں رب کبیر یعنی خدائے بزرگ لکھنے کا مشورہ دیا۔ خط کے دوسرے حصے میں غالب نے یہ بتایا کہ اگر صفت سے موصوف مراد لیا جائے تو'' جناب کبریا "کی جگہ ''جناب الٰہی جائز ہے۔اسی طرح زید عدل کی جگہ زید عادل مناسب ہے۔ یہاں غالب کو غلط نہی ہوئی ہے کیوں کہ عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ کبھی کبھی مبالغے کے طور پر مصدر کو صفت کے طور پر استعمال کر لیتے ہیں۔جیسے "زید عدل' بجائے زید عادل کے۔" [111]

غالب نے یہ خط قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط میں انھوں نے خستہ کام و اندیشہ کام کی ترکیب کو ٹکسال کے باہر بتایا ہے اور ناکام دشمن کام اور دوست کام'' جیسی ترکیبوں کو درست ٹھہرایا ہے۔اور تشنہ کام کے بارے میں بتایا ہے کہ یہ اور ترکیب ہے کیوں کہ اول الذکر ترکیبوں میں کام بہ معنی مقصد و مدعا کے ہیں اور موخر الذکر ترکیب میں کام بہ معنی "تالو کے ہے۔مولانا امتیاز علی خاں عرشی نے فرہنگ غالب میں کام کے ضمن میں تحریر کیا ہے: کام: بکاف عربی، پارسی، بمعنی مقصد است عموماً و در ہندی بمعنی شہوت جماع خصوصاً۔و کا منا باخزایش نون و الف در آخر مطلق بمعنی خواہش۔تشنہ کام۔کام بہ معنی تالو، نہ بہ معنی مقصد و مدعا۔"196" گندم نمائے جو فروش و جو فروش گندم نما صحیح اور درست۔سعدی لکھتا ہے: زہے جو فروشان گندم نما۔اس میں کسی طرح کا کلام نہیں۔توجیہات زائد اسم توصیفی سہی۔صفت در صفت ہی۔ایک صفت اور ایک حال ہی۔کلام اس میں ہے کہ تمہارے شعر میں موقع اس کا صحیح نہیں۔یہاں تحتانی توصیفی چاہیے یعنی در بازار ما گندم نما و جو فروش نیست،دکانداران این چار سو ایں ہر دو صفت ندارند"۔ [112]

یہ خط عبدالرحمن تحسین کے نام لکھا گیا ہے۔اس خط میں غالب نے سعدی کو سند کے طور پر پیش کرتے ہوئے "گندم نمائے جو فروش اور جو فروش گندم نما جیسی ترکیبوں کو مناسب بتایا ہے۔غالب اپنی نثری تحریروں میں اصول وضوابط کے سخت پابند تھے۔ جیسا کہ ان کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے قواعد ، املا اور تلفظ وغیرہ کے ساتھ ساتھ تذکیر و تانیث کا بھی بطور خاص خیال رکھا ہے، اور اپنے شاگردوں اور عزیز واقارب کو لکھے گئے خطوط میں تذکیر وتانیث پر بھی گفتگو کی ہے۔ اور انھیں پابند بھی کیا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

"مقدر مذکر اور تقدیر مونث ہے۔ کون کہے گا کہ فلانے کی مقدر اچھی ہے؟ کون کہے گا کہ ڈھمکے کا تقدیر برا ہے؟ یہ مسئلہ صاف ہے۔ مذبذب نہیں، کوئی بھی مقدر کو مونث نہ کہتا ہوگا۔ تم کو تر دو کیوں ہوا"[113]

مذکورہ خط غالب نے میر مہدی مجروح کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں غالب نے لفظ مقدر اور تقدیر کی تذکیر و تانیث سے متعلق گفتگو کی ہے۔ خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مجروح کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ مقدر مونث ہے اور تقدیر مذکر ہے۔ غالب اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ بالکل صاف ہے اور کسی تذبذب میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ مقدر مذکر ہے اور تقدیر مونث ہے۔

سید احمد دہلوی) ف۱۹۱۸ء (کی فرہنگ آصفیہ) ۱۹۷۴ء (اور نورالحسن نیر کاکوردی) ف۱۹۳۶ء (کی نور اللغات) ۱۹۹۸ء (سے بھی غالب کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ دونوں جگہ لفظ " مقدر کو مذکر اور لفظ " تقدیر کو مونث مانا گیا ہے۔ غالب اپنے اس خط سے اس جانب متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر چہ لفظ مقدر " اور " تقدیر کا مادہ بھی ایک ہے اور دونوں ہم معنی بھی ہیں، تاہم ان دونوں کا تذکیر د تا نیث کے لحاظ سے یکساں ہونا ضروری نہیں۔

'' :تذکیر وتانیث کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں کہ جس پر حکم کیا جائے، جو جس کے کانوں کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے ، اس طرح کہے ، رتھ " میرے نزدیک مذکر ہے۔ یعنی رتھ آیا لیکن جمع میں کیا کروں گا۔ ناچار مؤنث بولنا پڑ گا۔ یعنی "رتھیں آئیں خبر مونث ہے۔ یہ اتفاق مگر کاغذ اخبار، اس کو خود سمجھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے، میں تو مذکر کہوں گا یعنی "اخبار آیا۔ پیر ہوئی یا ہوا؟ یہ منطق عوام کا ہے۔ ہمیں اس سے کچھ کام نہیں۔ ہم کہیں گے کہ دوشنبہ ہوا، پیر کا دن ہوا نری پیر ہوئی یا پیر ہوا ہم کیوں بولیں گے؟ ''بلبل'' میرے نزدیک مونث ہے جمع اس کی بلبلیں طوطی بولتا ہے۔ بلبل بولتی ہے"۔[114]

غالب نے یہ خط بھی میر مہدی مجروح کے نام تحریر کیا ہے۔ غالب کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مجروح نے ان سے تذکیر وتانیث سے متعلق بعض تفصیلات جانی چاہی ہیں اس کے جواب میں غالب نے انھیں تحریر کیا کہ اس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے بلکہ اپنے طور پر لوگ اس کے اصول وضوابط منضبط کر لیتے ہیں۔ اور پھر بعض الفاظ کے بارے میں بتایا کہ میرے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے۔ مثلا رتھ غالب کے نزدیک مذکر ہے لیکن جمع کے صیغہ میں یہ تانیث ہو جائے گا۔ "خبر "اپنے آپ میں مؤنث ہے۔ لیکن مرکبات میں یا جمع کے صیغہ میں یہ مذکر ہو جائے گا۔ جیسے "اخبار آیا۔ لفظ پیر کے بارے میں یہ بتایا ہے کہ بعض لوگ اسے مذکر مانتے ہیں اور بعض مؤنث مانتے ہیں لیکن غالب اپنی ذاتی رائے پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: "نری پیر ہوئی یا ہوا غلط ہے بلکہ پیر کا دن ہوا صحیح جملہ ہے۔ اس کے علاوہ بلبل اور طوطی کے بارے میں بتایا کہ ''بلبل'' میرے نزدیک مونث ہے۔ اور طوطی مذکر ہے۔

یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ رتھ "کو صاحب نور اللغات نے بھی غالب کی طرح مذکر لکھا ہے، اس کے بر خلاف صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسے مذکر و مؤنث دونوں مانا ہے۔ لفظ "خبر اور پیر کے بارے میں متذکرہ بالا دونوں لغت نگاروں نے غالب کی رائے سے اتفا کیا ہے یعنی ''خبر'' مونث ہے اور پیر مذکر ہے۔

لفظ ''بلبل'' کو غالب کے بر خلاف مذکورہ لغت نگاروں نے اس میں تذکیر وتانیث دونوں کو درست قرار دیا ہے۔

طوطی کو صاحب فرہنگ آصفیہ نے بھی غالب کی طرح مذکر تحریر کیا ہے۔ البتہ یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ بعض شعرا جیسے نظیر نے مونث بھی باندھا ہے بلکہ عوام تو مونث ہی بولتے ہیں۔ اس کے بر خلاف صاحب نور اللغات نے لکھا ہے کہ اس کی تذکیر وتانیث میں اختلاف ہے۔ مزید یہ وضاحت بھی کی ہے۔ زبانوں پر زیادہ تر مذکر ہے۔

"گلشن، بعض کے نزدیک مونث اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم، دہی، خلعت ان کا یہی حال ہے۔ کوئی مونث کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک وہی اور خلعت' مذکر ہے اور قلم، مشترک۔ چاہو مذکر کہو، چاہو مؤنث۔ گلشن البتہ مذکر مناسب ہے"۔[115] "تذکیر وتانیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہی بعض کہتے ہیں وہی اچھا، بعض کہتے ہیں کہ وہی اچھی قلم کوئی کہتا ہے'' قلم ٹوٹ گیا کوئی کہتا ہے قلم ٹوٹ گئی۔ فقیر دہی کو مذکر بولتا ہے اور قلم کو بھی مذکر جانتا ہے۔ علی ہذاالقیاس۔ شنگرف بھی مذبذب ہے، کوئی مذکر اور کوئی مؤنث کہتا ہے۔ میں تو شنگرف کو مونث کہوں گا۔"[116] "نقاب، قلم، دہی، فریاد، فکر: فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور وہی ترجمہ جغرات، یہ تینوں اسم مذکر ہیں۔ منکر سے مجھے بحث نہیں۔ مجیب کا میں احسان مند نہیں منطق فارسی میں تذکیر وتانیث کہاں فریاد مؤنث ہے۔ فریاد کرنی چاہیے۔ فریاد کرنا انگریزی بولی ہے۔ فکر مؤنث ہے"۔[117]

مذکورہ بالا تینوں خطوط میں اسی اصول وضابطے کی طرف روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کا ذکر گذشتہ خط (نمبر ۲) میں کیا جا چکا ہے۔ یعنی تذکیر وتانیث کا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ جس کے کانوں کو جو اچھا لگے وہ استعمال کرے۔

خط نمبر ۳ غالب نے میاں داد خاں سیاح کے نام تحریر کیا ہے۔ خط نمبر ۴ موسوم بہ مولانا نعیم الحق آزاد ہے اور خط نمبر ۵ غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام تحریر کیا گیا ہے۔ ان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

تینوں خطوط میں لفظ " قلم اور دہی مشترک ہے ان کے بارے میں غالب کی رائے یہ ہے کہ دہی مذکر ہے اور قلم مشترکہ لفظ ہے اسے مذکر اور مؤنث دونوں کہا جا سکتا ہے لیکن غالب بذات خود قلم کو مذکر ہی بولتے تھے جیسا کہ خط نمبر ۴ سے معلوم ہوتا ہے غالب کے نزدیک "گلشن کو مذکر کہنا مناسب ہے۔ لفظ "شنگرف" کے بارے میں غالب کا خیال ہے کہ اس میں تذبذب ہے کوئی مذکر بولتا ہے اور کوئی مؤنث کہتا ہے لیکن خود غالب اسے مونث ہی بولتے تھے۔ غالب کی رائے میں نقاب مذکر ہے اور فریاد اور فکر مؤنث ہے۔ جیسا کہ خط نمبرہ سے معلوم ہوتا ہے۔

لفظ قلم کے بارے میں غالب اور صاحب فرہنگ آصفیہ دونوں کی رائے متفق ہیں کہ اس کی تذکیر و تانیث دونوں جائز ہے۔ یہی رائے صاحب نور اللغات کی بھی ہے۔ لکھتے ہیں: "لکھنے کا قلم۔ خامہ اس معنی میں بالاتفاق مذکر ہے۔ بیشتر مؤنث بھی کہتے ہیں۔ عجیب احوال ہے میرا کہ جب خط اس کو لکھتا ہوں۔ تو دل کچھ اور کہتا ہے قلم کچھ اور کہتی ہے ظفر۔ وصف ابرو بعد مژگاں کے جو میں لکھنے لگا۔ تیر سا سیدھا قلم مثل کماں خم ہو گیا تا بخ" [118]

دہی خلعت اور "گلشن کے بارے میں غالب کی طرح صاحب فرہنگ آصفیہ اور صاحب نور اللغات متفق ہیں کہ یہ الفاظ مذکر ہیں۔ البتہ لفظ "شنگرف کو صاحب فرہنگ آصفیہ اور صاحب لکھا ہے کہ یہ مذکر و مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔ لفظ فریاد کو صاحب فرہنگ آصفیہ اور صاحب نور اللغات نے غالب ہی کی طرح مؤنث لکھا ہے البتہ لفظ "فکر کو غالب کے بر خلاف صاحب فرہنگ آصفیہ نے اسم مذکر و مونث لکھا ہے۔ اور صاحب نور اللغات اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و لکھنو میں مذکر مستعمل ہے۔ تذکیر و تانیث مختلف فیہ۔ اب دہلی میں مذکر مونث نور اللغات نے غالب کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مذکر مانا ہے۔

لفظ" نقاب کے بارے میں غالب کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے مذکورہ لغت نگاروں نے اور لکھنو میں مونث ہی مستعمل ہے۔ """نسیم " تخلص اچھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ نسیم مونث ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ جرات اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ مونث ہیں۔ بہ ایں ہمہ اگر بدلا چاہیے تو اس کا ہم وزن سلام و سلیم اور خیال بھی ہے، اس میں سے جو پسند آئے۔" [119]

یہ خط غالب نے چودھری عبدالغفور سرور کے نام تحریر کیا ہے۔ اس خط میں معلوم ہوتا ہے کہ چودھری صاحب نے غالب سے تخلص کے بارے میں پوچھا ہے۔ غالب نے جواب میں یہ تحریر کیا ہے کہ نسیم تخلص اچھا ہے حالانکہ یہ مونث ہے لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ جرأت، وحشت وغیرہ بہت سے مخلص ایسے ہیں جو مونث ہیں اور لوگوں نے اسے استعمال کیا ہے۔ لفظ نسیم "کو غالب کی طرح متذکرہ بالا لغت نگاروں نے مونث ہی مانا ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

> "پورب کے ملک میں جہاں تک چلے جاؤ گے تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت پاؤ گئے۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے۔ لیکن اگر کوئی مونث بولے گا تو میں اس کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مونث نہ کہوں گا"۔ [120] "سانس میری زبان پر مذکر ہے۔ رند کا یہ مطلع: سانس دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے / چرکا دیا، جلاد نے جاتے جاتے۔ میرے لیے سند نہیں۔ بندہ پرور لکھنو اور اہل دہلی میں تذکیر و تانیث کا بہت اختلاف پایئے گا۔ سانس "میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر اہل لکھنو سے مونث کہیں تو میں ان کو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہے کہیے۔ مگر جفا کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنو کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا جفا کیا" "[121] "بھائی جا "کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنو کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا ' جفا کیا ہاں بنگالے میں جہاں بولتے ہیں کہ ہتھنی آیا اگر جفا کو نذ کر کہیں تو کہیں ورنہ ستم ظلم و بیداد مذکر اور جفا مونث ہے۔ بے شک وشبہ ۔ " [122]

غالب نے خط نمبرے یوسف علی خاں عزیز کے نام خط نمبر ۸ مولانا احمد حسین مینا مرزا پوری کے نام خط نمبر ۹ مردان علی خاں رعنا کے نام تحریر کیا ہے۔ ان تینوں خطوط میں سے اول الذکر دو خطوط) نمبرے اور میں لفظ' سانس 'کا لفظ مشترک ہے اور یہ غالب کے نزدیک مذکر ہے غالب نے یہ تحریر کیا ہے کہ پورب کے ملک یعنی لکھنو اور دہلی میں تذکیر و تانیث کا جھگڑا بہت ہے، جس کی وجہ سے اختلاف پایا جاتا ہے اس کے برخلاف غالب نے جھگڑے سے پرے دوٹوک اپنی رائے دی ہے۔ لفظ " جفا کے بارے میں غالب نے یہ لکھا ہے کہ اس میں لکھنو و دہلی کا باہم اتفاق ہے اور خود غالب نے بھی اس لفظ کو مونث کہا ہے۔ غالب کے نزدیک ستم ظلم اور بیداد مذکر ہیں۔ اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

لفظ " سانس کو غالب کے برخلاف صاحب نور اللغات نے مونث لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اہل دہلی مذکر بھی بولتے ہیں، لیکن صاحب فرہنگ آصفیہ نے لفظ سانس کی تذکیر و تانیث دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔

لفظ جفا کو غالب ہی کی طرح فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات میں مونث ہی لکھا گیا ہے۔ ستم اور ظلم کو غالب ہی کی طرح مذکور و لخت نگاروں نے مذکر لکھا ہے لیکن لفظ بیداد کو غالب کے برخلاف ان دونوں نے مونث مانا ہے۔

تانیث و تذکیر ہر گز متفق علیہ جمہور نہیں ۔ اے لو " !لفظ اس ملک کے لوگوں کے نزدیک مذکر ہے۔اہل پورب اس کو مؤنث بولتے ہیں۔ خیر جو میری زبان پر ہے وہ میں لکھ دیتا ہوں۔اس باب میں کسی کلام حجت اور برہان نہیں ہے۔ ایک گروہ نے کچھ مان لیا،ایک جماعت نے کچھ جان لیا،اس کا قاعدہ منضبط نہیں۔الف مذکر،ب،ت،ث مؤنث،ج،مذکر،ح خ مونث۔وال،ذال مؤنث۔رے زے مونث سین شین مذکر ہی ہض،ط ظ،مؤنث۔عین غین مذکر،ف مؤنث۔ قاف، کاف،لام،میم،نون مذکر۔داد(ہ) ہے،لیے مونث۔ ہمزہ مذکر۔لام الف حروف مفردہ میں نہیں ہے مگر بولنے میں مذکر بولا جاتا ہے۔مثلاًلام الف کیا خوب لکھا ہے؟ کہیں گے،کیا خوب لکھی ہے نہ کہیں گے "[123]

یہ خط غالب نے یوسف علی خاں عزیز کے نام تحریر کیا ہے۔اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے تذکیر وتانیث کا مسئلہ عوام کا متفقہ مسئلہ نہیں ہے۔اس میں بہت اختلاف ہے۔اس خط میں بھی غالب نے یہ تحریر کیا ہے کہ اس کا کوئی قاعدہ منضبط نہیں ہے۔اس خط میں انھوں نے حروف تہجی کی تفصیل لکھ کر یہ بتایا ہے کہ کون سا حرف مذکر ہے اور کون سا حرف مؤنث ہے۔البتہ لام الف کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ مرکب لفظ ہے لیکن بولنے میں مذکر بولا جائے گا۔

خطوطِ غالب کا مفصل لسانی جائزہ لینے سے یہ تاثر سامنے آیا ہے کہ غالب نے اپنے کلامِ نظم و نظر میں زبان و بیان کا خاص خیال رکھا ہے۔جہاں اسے ضرورت پیش آئی وہاں الفاظ میں تصرف اور توارد کو برقرار رکھا ہے۔مرزا غالب نے دیوانِ غالب میں زبان و بیان کے معیار کے پیشِ نظر معیاری اور خوبصورت اظہار کے حامل اشعار کو بھی رد کر دیا تھا جنھیں باقیاتِ غالب میں دیکھا جا سکتا ہے۔غالب نے عربی،فارسی،ہندی گرامر کی مبادیات صرف اور نحو کو اردو میں رواج دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

غالب کا لسانیاتی نکتہ نظر سے کلامِ نظم و نثر کا تجزیہ کرنے سے یہ تاثر بھی سامنے آتا ہے کہ غالب کی زبان میں تراش خراش اور نک سک کا عنصر ارتقائی صورت لیے ہوئے ہے۔ غالب نے زبان کی باریکیوں،نزاکتوں اور نکتہ آرائیوں کو کمال خوبصورتی سے اپنے خطوط میں بیان کیا ہے۔غالب کی شرح اپنے تئیں ایک اہم کارنامہ ہے۔یہ مقالہ اس لحاظ سے غالب کے خطوط میں لسانیاتی اُپج کی دریافت کا اہم مقدمہ ہے۔

حوالاجات

1. رشید حسن خان،املائے غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی2000،ص18
2. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد سوم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1987،ص1017
3. رشید حسن خان،املائے غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی2000،ص30
4. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد چہارم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1993،ص1499
5. محمد خان اشرف،ڈاکٹر/ڈاکٹر عظمت رباب،اُردو کلیات غالب،سنگ میل پبلیشرز لاہور،2013،ص
6. رشید حسن خان،املائے غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی2000،ص53
7. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد چہارم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1993،ص1502
8. رشید حسن خان،املائے غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی2000،ص70
9. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد چہارم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1993،ص1430
10. رشید حسن خان،املائے غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی2000،ص73
11. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد اول،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1983،ص332
12. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد دوم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1985،ص546-545
13. رشید حسن خان،املائے غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی2000،ص84
14. نذیر احمد،پروفیسر،غالب پر چند مقالے،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی،1999،ص213
15. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد اول،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1983،ص358
16. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلد اول،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1983،ص247

17. رشید حسن خان، املائے غالب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000، ص 185
18. ایضاً۔ ص 186
19. خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 1985، ص 596
20. خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، جلد اول، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 1983، ص 790
21. خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 1993، ص 1594
22. خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، جلد اول، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 1983، ص 247
23. رشید حسن خان، املائے غالب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000، ص 205
24. خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، جلد اول، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 1983، ص 248
25. رشید حسن خان، املائے غالب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 2000، ص 213
26. خلیق انجم، ڈاکٹر، غالب کے خطوط، جلد اول، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی 1983، ص 233
27. ایضاً۔ ص 234
28. ایضاً۔ ص 235
29. ایضاً۔ ص 243
30. ایضاً۔ ص 238
31. ایضاً۔ ص 297
32. ایضاً۔ ص 298
33. ایضاً۔ ص 234
34. ایضاً۔ ص 330
35. ایضاً۔ ص 329
36. ایضاً۔ ص 335
37. ایضاً۔ ص 335
38. ایضاً۔ ص 350
39. ایضاً۔ ص 352
40. ایضاً۔ ص 352
41. ایضاً۔ ص 353
42. ایضاً۔ ص 353
43. ایضاً۔ ص 351
44. ایضاً۔ ص 353
45. ایضاً۔ ص 357

46. ایضاً۔ص358
47. ایضاً۔ص358
48. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلداول،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1983،ص386
49. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلداول،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1983،ص384
50. ایضاً۔ص405
51. ایضاً۔ص406
52. ایضاً۔ص496
53. خلیق انجم،ڈاکٹر،غالب کے خطوط،جلددوم،غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی1985،ص552
54. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص554
55. ایضاً۔ص562
56. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلداول، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1983 ،ص336
57. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص587
58. ایضاً۔ص587
59. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم ،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی،1993، ص1591
60. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلداول ، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1983،ص 83
61. امتیاز علی عرشی ،مولانا، مکاتیب غالب ، مطبع قیمیہ،بمبئی،1937، ص198
62. نذیر احمد، پروفیسر، مقالاتِ نذیر،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی 2002، ص558
63. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص591
64. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص601
65. امتیاز علی عرشی، مولانا، فرہنگ غالب غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی ، 1947،ص169
66. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص616
67. ایضاً۔ص647
68. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1993، ص1018
69. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص651
70. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص652
71. ایضاً۔ص816
72. ایضاً۔ص789
73. ایضاً۔ص790
74. ایضاً۔ص800

75. ایضاً۔ص803
76. ایضاً۔ص804
77. ایضاً۔ص804
78. ایضاً۔ص836
79. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد سوم ، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1987 ،ص1327
80. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم ،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی،1993، ص1417
81. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص1428
82. امتیاز علی عرشی، مولانا، فرہنگ غالب،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، سن ۔ ص5
83. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی،1993،ص 1430
84. سید احمد دہلوی،مولوی ، فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم ،نیشنل اکادمی، انصاری مارکیٹ دریا گنج نئی دہلی،ص656
85. رشید حسن خان ،مرتب باغ و بہار، انجمن ترقی اُردو ،ہند، نئی دہلی ،1972 ،ص445
86. عبدالودود ،قاضی، غالب بہ حیثیت محقق، خدا بخش اور ئینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ، 1995 ،ص183
87. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم ، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1993 ،ص1433
88. ایضاً۔ص1542
89. ایضاً۔ص1542
90. ایضاً۔ص1576
91. ایضاً۔ص1581
92. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلداول، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1983،ص234
93. ایضاً۔ص247
94. ایضاً۔ص262
95. ایضاً۔ص242
96. ایضاً۔ص249
97. ایضاً۔ص262
98. ایضاً۔ص272
99. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ص539
100. ایضاً۔ص576
101. ایضاً۔ص588
102. ایضاً۔ص595
103. ایضاً۔ص840

104. نذیر احمد، پروفیسر، مقالات نذیر،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی 2002، ص561
105. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1985 ،ص 794
106. ایضاً، ص838
107. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد سوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1987 ،ص1029
108. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1993، ص1416
109. ایضاً۔ص1429
110. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1993،ص1502
111. امتیاز علی عرشی، مولانا، فرہنگ غالب غالب انسٹی ٹیوٹ،نئی دہلی ، 1947،ص196
112. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1993،ص1590
113. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلداول ، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1983،ص58
114. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم،غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی،1985 ،ص542
115. ایضاً۔ص553
116. ایضاً۔ص727
117. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد چہارم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی، 1993،ص1431
118. نورالحسن نیر،مولوی،نورالغات،جلداول،قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان،نئی دہلی،ص684
119. خلیق انجم، ڈاکٹر ، غالب کے خطوط، جلد دوم، غالب انسٹی ٹیوٹ ،نئی دہلی،1985 ص601
120. ایضاً۔ص802
121. ایضاً۔ص828
122. ایضاً۔ص824
123. ایضاً۔ص803